خصائص القرآن

مذہب، سیاست اور معاشرت
سے متعلق عالمگیر نظریات

صدر الدین

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام
احمدیہ بلڈنگس
برانڈرتھ روڈ ۔ لاہور

قیمت تین روپے

www.aaiil.org

تعداد اشاعت
ایک ہزار

ناشر : احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، احمدیہ بلڈنگس، لاہور
طابع : جدید اردو ٹائپ پریس، لاہور

انڈکس

نمبر شمار	خلاصہ مضمون	صفحہ کتاب
۱-	دیباچہ	ؤ
۲-	قرآن کریم کی ابتدا	۱
۳-	حیات اجتماعیہ	۲۰
۴-	حکومت کرنے کا طریق	۲۱
۵-	سورۃ البقرہ	۲۸
٦-	بین الاقوامی مذہب	۴۴
۷-	بعض وساوس کا تذکرہ اور ان کا ازالہ	۴۸
۸-	مذہبی تعصب	٦٦
۹-	مذہبی تعصبات کا قلع قمع	۷۳
۱۰-	نسلی تعصب	۸۳
۱۱-	حجۃ الوداع	۹۰
۱۲-	عام الوفود	۱۰۵
۱۳-	اھل مصر پر حکومت	۱۱۰
۱۴-	حضور علیہ الصلوۃ و السلام کی تبلیغی سعی	۱۱۴
۱۵-	دنیا کے تمام مذاھب سچے ھیں	۱۱٦
۱٦-	خدا تعالیٰ کے قرب کی راہ	۱۱۸
۱۷-	جس خدا کے مادی قوانین عالمگیر ھین اسی خدا کے روحانی قوانین بھی ھمہ گیر ھین	۱۲۴

۱۸- تمام قوموں میں نیک لوگ پائے جاتے ہیں ۱۲۹
۱۹- حق پرستی اور نیکی کسی کی رشتہ داری پر موقوف نہیں ۱۳۷
۲۰- حضرت مریم کی بریت اور اور ان کی حقیقی تعریف ۱۳۸
۲۱- قرب الٰہی کا راستہ ۱۴۱
۲۲- صبغة الله ۱۵۱
۲۳- الانبیاء اخوة ۱۵۴
۲۴- انبیاء معصوم ہیں ۱۵۷
۲۵- انبیاء پر بعض الزامات اور ان کا دفاع ۱۵۸
۲۶- قرآن کریم عالمگیر اخوت قائم کرتا ہے ۱۶۹
۲۷- مشرق و مغرب کا سوال اور بولی اور رنگ کا سوال ۱۷۱
۲۸- ولقد کرمنا بنی آدم ۱۸۰
۲۹- ولقد کرمنا ۱۸۹
۳۰- حکومت جمہوریہ ۱۹۷
۳۱- اولیت ۱۹۷
۳۲- پارلیمنٹ قائم کرنا ۱۹۹
۳۳- حکومت اور سادگی ۲۰۹
۳۴- غرباء کا حصہ پبلک ٹریژری میں ۲۱۱

۳۵- زکواة کا فراهم کرنا ۲۱۵
۳۶- حکومت ۲۲۰
۳۷- سیاست کے متعلق مزید هدایات ۲۲۳
۳۸- و امرت لا عدل بینکم ۲۲۶
۳۹- قرآن شریف ۲۳۸
۴۰- دنیا کی مرده زبانیں ۲۴۷
۴۱- جمع قرآن ۲۵۱
۴۲- تحفظ قرآن ۲۵۲
۴۳- حضرت ابوبکر جامع قرآن نہیں هیں ۲۵۴
۴۴- حضرت عثمان اور جمع قرآن ۲۵۴
۴۵- تحفظ سنت ۲۵۵
۴۶- اهل علم سے خطاب ۲۶۱

دیباچہ

قرآن کریم کی تعلیمات کسی خاص قوم یا خاص وطن کے لئے مخصوص نہیں ھیں جو اصول و نظریات مذہب، سیاست اور معاشرت سے متعلق قرآن کریم میں تلقین کئے گئے ھیں وہ عالمگیر ھیں جیسا کہ خصائص القرآن کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آ جاتی ھے کہ خدا تعالیٰ ساری قوموں کا رب ھے اور ساری قومیں اس کا وسیع عیال ھیں۔ وہ سب پر جسمانی اور روحانی برکات نازل فرماتا ھے اور وہ کسی قوم کو اپنے افضال و نعماء سے محروم نہیں رکھتا۔ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں ساری نسل انسانی ایک ھی جماعت ھے۔ جیسا کہ فرمایا:

كان الناس امة واحدة

یعنی سارے انسان ایک ھی جماعت ھیں اور سب کے سب اس کو پیارے ھیں اور ساری قوموں میں نکو کار اور برگزیدہ ھستیاں پائی جاتی ھیں۔ اسی نے ان سب کے لئے پیغمبر مبعوث فرمائے تھے اور انھوں نے خدا کی مرضی کے حصول کی راہ کی نشان دھی کر دی تھی۔ اس لئے سارے مذاھب

اور سارے پیغمبر قابل ستائش اور قابل احترام ہیں - ان مذاہب میں سچائی اور صحیح راہنمائی مہیا کی گئی ہے - ان سچائیوں پر گامزن ہو کر لوگ حق پرست اور راست بازی کی زندگی اختیار کرتے ہیں - اس کتاب میں اس حقیقت کی وضاحت کی گئی ہے کہ تمام انبیاء چونکہ ایک ہی سر چشمہ سے سیراب ہوئے تھے اس لئے ان کی تعلیم بھی ایک ہی تھی -

غرض قرآن کریم یہ تعلیم دیتا ہے کہ خدا ایک ہے ، نسل انسانی بھی ایک ہی جماعت کا حکم رکھتی ہے اور مختلف پیغمبروں نے جو تعلیم دی تھی وہ بھی ایک ہے - اس لئے ساری قوموں کو متحد ہو جانا چاہیے - قرآن کریم نے اسی بناء پر ایسی اخوت استوار کی ہے جو نہ عربی ہے اور نہ ہی ایرانی ، وہ نہ ہندی ہے نہ ہی پاکستانی - وہ اخوت عامہ ہے اور اس اخوت میں حقیقی مساوات کار فرما ہے جو ہر شخص کے مشاہدہ میں آتی ہے - اس اخوت کو زیادہ مضبوط و مربوط کرنے کی غرض سے ساری قوموں کے پیغمبروں پر ایمان لانا اور ان کی دل سے تعظیم و تکریم کرنا اخوت کے افراد کا جزو ایمان قرار دیا گیا ہے -

قرب الٰہی

قرب الٰہی کے حصول کا نظریہ جو قرآن کریم نے پیش کیا ہے وہ بھی عالمگیر ہے اور وہ مختصراً یہ ہے کہ خدا خوفی اور نیک عملی کی زندگی اختیار کرنے سے خدا تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور جس شخص میں یہ صفات پائی جاتی ہوں وہ خدا کی مخلوق کا بھی محبوب بن جاتا ہے - فرمایا :

الیہ یصعد الکلم الطیب و العمل الصالح یرفعہ

پاکیزہ معتقدات و اصول خدا کی قبولیت کا شرف حاصل کرتے ہیں اور صلاحیت و افادیت کے اعمال انسان کی عزت و شرف کا باعث بنتے ہیں اور اس کو رفعت اور برتری کا مقام بخشتے ہیں - ورنہ صرف کسی خاص نسل سے ہونا یا صرف کسی خاص مورث اعلیٰ کا متبع ہونا انسان کی فضیلت و بزرگی کا باعث نہیں بن سکتا ۔ اس ضمن میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

یا ایھا الناس ان ربکم واحد و ان اباکم واحد

یعنی تمہارا رب بھی ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے ۔ تم ایک ہی نسل کے افراد ہو اور تم سب بھائی بھائی ہو - اور فرمایا :

لا فضل لعربی علی عجمی

کسی عربی کو غیر عربی پر کسی قسم کی فضیلت حاصل نہیں ہے اور اسی طرح :

لا لاسود علی احمر

کسی کالے رنگ کے شخص کو کسی گورے رنگ کے فرد پر کسی قسم کی فضیلت و برتری حاصل نہیں ہے اور اس کے برعکس کسی غیر عربی کو اور کسی سفید فام انسان کو کسی عربی پر یا کسی سیاہ فام انسان پر کسی قسم کی برتری حاصل نہیں ہے - فضیلت و برتری کے حصول کا صرف ایک ہی طریق ہے اور وہ یہ ہے :

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم

سب سے معزز و مکرم وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ خدا خوف اور نیک عمل ہو - یہ نظریہ بھی دین اسلام کے دوسرے نظریات کی طرح ہمہ گیر ہے - اس ضمن میں فرمایا :

ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ہم محسنون

خدا تعالیٰ کی معیت ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو خدا خوف ہوں اور جو مخلوق خدا پر احسان کرنے والے اور ان کے لئے سب سے زیادہ نفع رساں ہوں - جس طرح

قرب الٰہی کے حصول کا نظریہ ہمہ گیر ہے اور جس طرح اخوت اسلامیہ کا نظریہ ہمہ گیر ہے اسی طرح سے جمہوریت اسلامیہ کا نظریہ بھی معیاری اورمثالی ہے جس پرمفصل بحث اس کتاب کے متن میں درج کی گئی ہے - جمہور اپنا حکمران منتخب کرتے ہیں اور ان کا منتخب کردہ حکمران قوم کی مشاورت سے امور سلطنت کو سر انجام دیتا ہے - نیز وہ حکمران اپنے اعمال کے متعلق قوم کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے - جمہوریت اسلامیہ ہر شخص کی آزادی برقرار رکھتی اور ہر شخص کے حقوق کی حفاظت کرتی ہے جمہوریت اسلامیہ عدل و انصاف کی برکت سے حقیقی امن و امان کی ضامن ہوتی ہے اور انسان کی عزت نفس اور وقار کو برقرار رکھنا اس کا فریضہ ہوتا ہے -

الراقم مصنف

مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۵۹ء　　　　احمدیہ بلڈنگس ، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم   نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

خصائص القرآن

قرآن کریم کی ابتدا

قرآن کریم کی ابتدائی آیۃ کریمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

ہے جو ایک نہایت ہی اہم اور نہایت ہی مفید اعلان کرتی ہے - اس کا مضمون یہ ہے کہ ساری کی ساری کائنات کا موجد و خالق ایک ہی ہے اور وہی اس کے قیام کا باعث ہے - موجد و خالق ہونے کے باعث وہی کائنات کے مختلف طبقات و حصص کی ضروریات کو جانتا ہے - جیسا کہ فرمایا

خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ وَّ ھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ

اور وہی ان ضروریات کا کفیل ہے جیسا کہ فرمایا

خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ وَّ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ

کائنات کے طبقات و حصص نہایت وسیع ہیں - اس میں ذرات بھی ہیں اور آفتاب بھی - اس میں ہاتھی بھی ہیں اور مچھر اور مچھر سے چھوٹے جاندار بھی - ان مختلف طبقات و حصص کے ہر طبقہ کو عربی زبان میں عالم کہتے ہیں - جس کی جمع عالمین ہے - ان عالمین کی نشوونما کرنے والے کو رب العالمین کرکے بیان کیا گیا ہے - اللہ تعالیٰ نے کائنات کے ہر عالم کے مناسب حال ضروری اسباب کا مہیا کرنا اپنے ذمہ لے رکھا ہے - اس سے خدا تعالیٰ کی لامحدود قدرت اور کامل و محیط علم اور ربوبیت کا تصور سامنے آ جاتا ہے - اس کی مخلوقات انواع و اقسام اور عجیب و غریب صنعت کاری کے نمونے پیش کرتی ہے - جو اس کی لا انتہا قدرت اور لا انتہا علم کی عکاسی کرتے ہیں - مخلوقات کی ایک ایک نوع اس کثرت سے پائی جاتی ہے - کہ اس کا شمار میں لانا مشکل اور بعض صورتوں میں محال ہے -

اس بے شمار انواع و اقسام کی مخلوقات کی ربوبیت اور نشوونما کے لئے اللہ تعالیٰ ضروری اور مناسب اسباب وسیع پیمانے پر مہیا کرتا ہے اور ان اسباب میں کبھی کمی واقع نہیں ہوتی جیسا کہ فرماتا ہے

اِنْ مِنْ شَیٍٔ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُہٗ

اگر تخلیق کا کام نہایت ہی مشکل ہے تو عالمین کی ربوبیت کے لیے مناسب اسباب کا صحیح مقدار میں پیدا کرنا اس سے کم مشکل نہیں۔ خدا تعالیٰ کے ان کمالات اور احسانات کا ذکر الحمد اللہ رب العالمین کی آیت کریمہ میں جمع کر دیا گیا ہے۔ جب انسان کو خدا تعالیٰ کے کمالات اور اس کے بے پایاں احسانات کی معرفت حاصل ہوتی ہے تو وہ بے اختیار خدا تعالیٰ کے سامنے جھکتا ہے اور خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء کے ترانے بے اختیار اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔ الحمد للہ رب العالمین میں جہاں اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر ہے وہاں اس میں وحدت انسانی کا ذکر بھی موجود ہے۔ جس طرح خدا تعالیٰ کی توحید انسان کے قلب کے ہر گوشے کو منور کرتی ہے اسی طرح یہ ایمان کہ خدا تعالیٰ ہی نے دنیا کی ہر قوم کو پیدا کیا ہے اور خدا تعالیٰ ہی نے ہر قوم کر ظاہری و باطنی قویٰ عطا کیے ہوئے ہیں اور وہی تو ہے جو ہر قوم کے ظاہری و باطنی قویٰ کی ربوبیت کرتا ہے اور کوئی ایسی قوم نہیں ہے جس پر اس کے انعامات خصوصی طور پر نازل ہوئے ہوں اور دوسری قومیں ان برکات و فیوض سے محروم

کردی گئی ہوں ۔ایسا قطعاً نہیں ہے ۔ ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ سب قوموں پر سورج چمکتا ہے اور سب قوموں کی زندگی کے قیام کے لیے آسمان سے بارش اترتی ہے اور ہمارا مشاہدہ ہے کہ ہر قوم میں فقید المثال لیڈر پیدا ہوتے رہے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کو باطنی استعدادوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے ۔ سیاہ فام طالب علم یورپ کے مختلف ممالک کی یونیورسٹیوں میں تعلیم پاتے ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو سفید فام طالب علموں پر سبقت لے جاتے ہیں جس سے عیاں ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ملک اور ہر قوم کے افراد کو باطنی استعدادیں بغیر کم وکاست عطا کر رکھی ہیں یعنی جس طرح وہ مسلمان پر اپنے جودو کرم کی بارش کرتا ہے ۔ اسی طرح وہ ہندو ، سکھ ، عیسائی ، یہودی ، اہل مشرق اور اہل مغرب سب پر اپنی عنایات انڈھیلتا ہے ۔ غرض ہم سب اللہ تعالیٰ کے غیر محدود احسانات و برکات میں برابر کے شریک ہیں اور اس کی رحمت یکساں طور پر ہم پر سایہ افگن ہے اور وہ ہم سب کا خالق اور رب ہے اور ہم سب اس کی مخلوق اور مربوب ہیں ۔ ساری انسانیت ایک بڑا بھاری کنبہ ہے ۔ جس کا خالق و مالک و

مربی و محسن خدا تعالیٰ ہے ، جیسا کہ سرور کائنات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

اَلْمَخْلُوْقُ عَیَالُ اللّٰہِ ۔ فَاِنَّ اَحَبَّہُمْ اِلَی اللّٰہِ

اَنْفَعُہُمْ لِعَیَالِہٖ ۔

یعنی ساری مخلوق خدا تعالیٰ کا کنبہ ہے اور جو شخص اس کے عیال کے لیے زیادہ نفع رساں ثابت ہوتا ہے وہی اس کا محبوب بنتا ہے ۔ جب انسان کو اس رنگ کا عرفان نصیب ہوتا ہے ۔ تو وہ خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق سے پیار کرنے لگتا ہے ۔ وہ ہندو اور سکھ کو اپنا بھائی یقین کرتا ہے ۔ اسی طرح اس کی نظر میں عیسائی اور یہودی سب اس کے بھائی ہیں اور وہ ان سب کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا ہے ۔ کیونکہ وہ اس کے خدا کے کنبہ کے افراد ہیں ۔ وہ کسی قوم کے افراد کو تعصب کی نگاہ سے نہیں دیکھتا ، چہ جائیکہ کوئی صاحب ایمان و عرفان ہوکر ان سے کسی قسم کی دشمنی یا عداوت رکھے ۔ پس الحمد للہ رب العالمین کا جملہ جہاں انسان کے قلب میں خدا تعالیٰ کی ذات کے متعلق صحیح اعتقاد پیدا کرتا ہے وہاں اس کے قلب سے تمام قسم

کے تعصبات کو دور کر دیتا ھے اور خدا کی مخلوق کے ساتھ محبت و مروت کرنا اس کا جزو ایمان بنا دیتا ھے۔ یہ نظریات بین الاقوامی ھیں۔ ان پر عمل کرنے سے دنیا میں حقیقی امن قائم ھوسکتا ھے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

ایک ایسا جامع جملہ ھے جس میں خدا کا ذکر بھی ھے اور اس کی پیدا کردہ کائنات کا ذکر بھی اور کائنات کے افضل ترین حصہ یعنی انسانیت کا ذکر بھی موجود ھے۔ یہ ایک لاجواب سائنٹفک جملہ ھے جسکی نظیر ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل سکتی۔ علاوہ ازیں اس جملہ میں انسانیت کے ساتھ نہایت اعلیٰ درجے کا رابطہ محبت قائم کرنے کا حکم پایا جاتا ھے یعنی خدا اور خدا کی مخلوق کے ساتھ مخلصانہ تعلقات پیدا کرنا ھی دین کی اصل غرض و غایت ھے۔ جس شخص نے اس مقصود کو حاصل نہ کیا اس کی عبادت رائگاں گئی۔ اس قیمتی تعلیم کو

کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً

میں دھرایا ھے یعنی تمام کے تمام لوگ ایک قوم ھیں اور یہ

بڑا کنبہ ایک ھی چھت کے نیچے جاگزیں ھے جہاں ایک ھی سورج اور ایک ھی قمر اور ایک ھی ھوا اور ایک ھی پانی اور جہاں سب کے لیے غلہ جات اور پھل پھول ھیں اور جہاں سب کی پرورش کے لیے دودھ دینے والے جانور بھی فراھم کیے گئے ھیں ۔ خدا تعالی نے اس اھم مشاھدہ کو یوں بیان فرمایا ھے ۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ
وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ○ الَّذِي
جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ
مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا
لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ

(البقر ۲ آیت ۲۱) ۔ اور فرمایا

وَالشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا

اور فرمایا

جَعَلَ لَكُمُ الْأَنْعَامَ

اور فرمایا

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ۔ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهَارَ

یعنی اے بنی نوع انسان عبادت کرو اس خدا کو جس نے تمھیں پیدا کیا اور ان تمام انسانوں کو بھی پیدا کیا جو تم سے پہلے ہوئے ہیں ۔ اس عبادت کی غرض یہ ہے کہ تم خدا خوف بن جاؤ اور بنی نوع انسان کی حق تلفی سے بچے رہو۔ خدا وہ ہے جس نے تمھاری خاطر زمین کو رہنے کے لیے فرش بنایا اور اس پر آسمان کی چھت تیار کی اور اس نے اس گھر کے بسانے کے لیے آسمان سے بارش نازل فرمائی تاکہ ہر طرح کے غلہ جات اور پھل تم کو عنایت کرے ۔ تمھیں اس کے پیش نظر خدا کے سوا دوسرے خدا نہ بنانے چاہئیں اور تم جانتے ہو کہ خدا کے سواء نہ کوئی خالقیت کی صفت رکھتا ہے اور نہ ربوبیت کی (سورہ بقرہ ۲ آیت ۲۱) ۔ اس قسم کی تعلیم دوسری الہامی کتابوں میں نہیں ملتی ۔ ایک وید مقدس کی ابتداء تو اس جملہ سے ہوتی ہے : اے آگ میں تیری پرستش کرتا ہوں ۔ اور تورات میں ابتدائے آفرینش کا ایسا ذکر ہے جس میں انسانیت

کے لیے کوئی خوشخبری نہیں ہے اور نہ ہی سائنسدان تورات کے اس بیان کو درست قرار دیتے ہیں۔ انجیل کی ابتداء حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے شروع ہوتی ہے اور ان کی موت پر اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ہاں یوحنا کی انجیل میں یوں لکھا ہے ”شروع میں کلام تھا، کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام ہی خدا تھا“۔ یہ تو یونانی فلسفہ کی تقلید ہے جس کے ساتھ حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کو کسی قسم کا تعلق نہیں ہے جو یوحنا نے انجیل میں نقل کر دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان کتابوں کے تمہیدی بیانات انسان کے قلب میں کسی قسم کی معرفت پیدا کرنے سے قاصر ہیں۔ اس کے برعکس

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

کا جملہ گرانقدر معرفت و عرفان کا باب کھولتا ہے اور ایسی تعلیم دیتا ہے جو انسان کو دنیا کے لیے با برکت وجود بنا دے اصل انجیل یا خوشخبری انسانیت کے لیے نہایت خوشکن یہی تعلیم ہے جو تنگ نظری اور تنگ ظرفی کو دور کر دیتی ہے۔

لفظ انجیل خود انجیل کے متن میں موجود نہیں ہے۔

یہ لفظ لوگوں نے اس کتاب کے لیے تجویز کیا ہے ۔ کیا انجیل کا یہ اعلان اپنے اندر کوئی خوشخبری رکھتا ہے کہ میں صرف بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کے لیے آیا ہوں؟ دیکھو متی باب ۱۵ آیت ۲۲-۲۷ جہاں ذیل کی عبارت دیکھنے میں آتی ہے ” اور دیکھو کہ ایک کنعانی عورت ان سرحدوں سے نکلی اور پکار کر کہنے لگی اے خداوند ابن داؤد مجھ پر رحم کر ۔ ایک بد روح میری بیٹی کو بری طرح ستاتی ہے مگر اس نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور اس کے شاگردوں نے پاس آ کر اس سے عرض کی کہ اسے رخصت کر دے کیونکہ وہ ہمارے پیچھے چلاتی ہے ۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں بنی اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا ۔“ ظاہر ہے اس کتاب میں ساری انسانیت کے لیے کوئی خوشخبری نہیں ہے ۔ انجیل کا پیغام ایک محدود قوم کے لیے ہے نہ کہ ساری قوموں کے لیے اس کی رو سے کنعانی یا عبرانی یا غیر بنی اسرائیلی لوگ خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتے بلکہ وہ خدا تعالیٰ کے احسانات و عنایات سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دئے گیے ہیں دیکھو متی باب ۱۰ آیت ۶ جہاں حضرت

عیسیٰ اپنے شاگردوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ ”غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا“ اور انجیل میں ان لوگوں کو جو غیر یہودی ہیں لعنتی قرار دیا گیا ہے۔ دیکھو یوحنا باب ۷ آیت ۴۹ جہاں یہ الفاظ درج ہیں: ”مگر یہ عام لوگ جو شریعت سے واقف نہیں لعنتی ہیں“ اور صاف طور پر لکھدیا کہ نجات صرف یہودیوں کے لیے ہے“ (یوحنا باب ۴ آیت ۲۲)۔ وہ کہتے ہیں

نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآءُہٗ

یعنی ہم ہی خدا کی پیاری قوم ہیں اور ان کا اعتقاد ہے کہ نجات صرف یہودیوں کے لیے ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہؤا (دیکھو یوحنا باب ۴ آیت ۲۲)۔ تو رات میں لکھا ہے کہ اسرائیل خدا کی محبوب اور منتخب قوم ہے اور لکھا ہے خدا اسرائیل کا خدا ہے استثناء (باب ۳۳ آیت ۲۰) اور دوسری سب قوموں کو وہ Gentile یعنی بے دین کافر کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ بائبل کی انگریزی ڈکشنری میں جنٹائل کا یہی

ترجمہ دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہودی غیر قوموں کو کتا کہہ کر پکارتے ہیں۔ عیسائی یا یہودی کے نظریہ کو ہندو کے نظریہ پر قطعاً کسی قسم کی برتری حاصل نہیں ہے۔ وہ بھی تو اس بیسویں صدی تک برابر اسی اعتقاد کی پیروی کرتا چلا آ رہا ہے کہ ہندو جاتی خدا کی محبوب قوم ہے۔ ہندو دوسری قوموں کو ملیچھ کے توہین آمیز نام سے یاد کرتا ہے۔ اس کی یہ تنگ نظری نہایت ضرر رساں ہے۔ ہندو کے اپنے وطن میں کوئی سات کروڑ ایسے انسان بود و باش رکھتے ہیں جو اس کی تنگ ظرفی اور ستم کا شکار ہیں۔ ان کو وہ اچھوت یعنی ناپاک اور راندہ درگاہ الہی یقین کرتا ہے۔ ان کے ساتھ تعلقات پیدا کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب کہ ان کا چھونا ہی ہندو کو ناپاک کر دیتا ہے۔ غرض اس قسم کے نقصان دہ نظریات و اعتقادات ہندوؤں میں، عیسائیوں میں اور یہودیوں میں پائے جاتے ہیں اور وہ شدت سے اور اصرار سے اپنی ان تعلیمات کے پابند ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ تعلیمات ہماری آسمانی کتابوں میں درج ہیں اس لیے ہم ان تعلیمات کا ترک کر دینا کفر سمجھتے ہیں۔ کیا یہ تعلیمات اقوام عالم کے لیے اپنے اندر کسی قسم

کی خوشخبری رکھتی ہیں اور کیا اقوام عالم اس قسم کی تعلیمات کو اپنانے کے لیے تیار ہوں گی ؟ اس کے برعکس عقل انسانی اس قسم کے غیر معقول اور ضرر رساں نظریات و اعتقادات کو دھکے دیتی ہے۔

لیکن وہ تعلیم جو

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِینَ

کی آیت کریمہ میں دی گئی ہے اقوام عالم کے لیے ابر رحمت اور ان کے لیے حقیقی بشارت ہے، جو ذہن انسانی کو تمام قسم کے تعصبات سے پاک کرتی ہے اور عالم انسانیت میں حقیقی اخوت اور سچی محبت اور ہمدردی اور حقیقی مساوات پیدا کرتی ہے۔

قرآن کریم ماڈرن کتاب ہے

مذکورہ بالا بیان سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ موجودہ زمانہ کی اہم ترین ضروریات کو جو کتاب پورا کر سکتی ہے وہ صرف قرآن کریم ہے۔ موجودہ زمانہ کا پڑھا لکھا مفکر چاہتا ہے کہ ساری قوموں میں اتحاد پیدا کیا جائے۔ وہ یقین کرتا ہے کہ عالمگیر اتحاد کے بغیر دنیا امن

کا منہ نہیں دیکھ سکتی۔ کبھی تو آج کا مفکر یہ تجویز کرتا ہے کہ ساری قوموں کی آسمانی کتابوں سے انتخاب کیا جائے اور جس طرح مختلف پھولوں سے ایک گلدستہ تیار کیا جاتا ہے اسی طرح سب کتابوں سے چیدہ چیدہ نظریات لے کر مختلف مذاہب کے نظریات کا ایک گلدستہ بنایا جائے اور کبھی آج کا مفکر یہ منصوبہ پیش کرتا ہے کہ مذاہب عالم کے علماء و فضلاء کی کانفرنس بلائی جائے اور اس طرح سے ان مذہبی رہناؤں کی وساطت سے اور ان کے اثر سے قوموں کے اندر باہمی اتحاد کا بیج بویا جائے۔ ان اغراض و مقاصد کے پیش نظر اس بیسویں صدی میں کئی ایک کانفرنسیں بلائی گئیں اور علماء و فضلاء کے بیش قیمت مقالہ جات ان کانفرنسوں میں سنائے گئے۔ ان کانفرنسوں اور ان مقالہ جات نے صرف اتنا کیا کہ اقوام عالم کو متحد ہونے کی طرف متوجہ کیا لیکن اپنے اس مقصد میں کہ قومیں ایک ہوجائیں کامیابی حاصل نہ کرسکیں۔ ان کے سامنے ایک بلند مقصد ہے اور ان کے دلوں میں خلوص بھری خواہش بھی موجود ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مقصود حاصل کرنے میں کامیابی حاصل نہیں ہوتی ؟ اس کی وجہ یہ

ہے کہ یہ کانفرنس سطحی اتحاد کی باتیں کرتی ہیں اور ذہنی یا قلبی انقلاب پیدا کرنے سے قاصر ہیں ۔ ان کی یہ تہی دستی اور بے چارگی ان کی مجالس کو ناکام بنا دیتی ہے ۔ ان کے پاس وہ اصول نہیں ہیں جو انسانی ذہن میں انقلاب پیدا کر سکیں ۔ جب تک ذہنی انقلاب پیدا نہ ہو تب تک حقیقی اخوت رونما نہیں ہو سکتی ۔ قرآن کریم ذہنی انقلاب پیدا کرتا ہے ۔ کیونکہ ذہنی انقلاب ہی اقوام عالم کو رشتۂ اتحاد میں منسلک کر سکتا ہے ۔ چنانچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

میں جس تعلیم کی تلقین کی گئی ہے اس نے اہل عرب کے تمام قبائل کو اور تمام اہل مذاہب کو ایک کر دکھایا تھا ۔ یہودی جو یقین کرتے تھے کہ ہم خدا کی منتخب قوم ہیں اور ہم ہی نجات پائیں گے اسی طرح وہاں نصاری بھی تھے جن کی نگاہ میں صرف حضرت عیسیٰ کی صلیبی موت پر ایمان لے آنا موجب نجات تھا اور جو یہ یقین کرتے تھے کہ اعمال صالحہ کسی صورت میں موجب نجات نہیں ہو سکتے ۔ اسی طرح عرب میں ہنود کی طرح وہ بت پرست

قبائل بھی تھے جو یقین کرتے تھے کہ ان بتوں کی پرستش می نجات کی ضامن ہو سکتی ہے ۔

ان تمام قوموں کے نظریات میں اسلام نے تبدیلی پیدا کی اور اس ذہنی تبدیلی کے باعث ان کی قلبی اصلاح ہوئی اور وہ سب شیر و شکر ہو گئے اور انھوں نے حقیقی اخوت میں منسلک ہو کر حقیقی سرور اور حقیقی اطمینان حاصل کیا اور اس طرح وہ دنیا کے لیے برکت کا باعث ثابت ہوئے ۔ آج بھی قرآن کریم کی تعلیمات کے ذریعہ سے ذہنی انقلاب پیدا کیا جا سکتا اور اقوام عالم کو متحد کیا جا سکتا ہے ۔ اگر وہ لوگ جو دنیا میں حقیقی امن و امان پیدا کرنے کے خواہشمند ہیں قرآن کریم کے اصولوں کو اپنانے کی طرف اور ان کی نشر و اشاعت کی طرف پوری پوری توجہ دیں تو ایسا کرنے سے وہ یقیناً یقیناً گوہر مقصود کو پا لیں گے اور وہ دنیا کے محسن قرار دیے جائیں گے ۔

یہی مضمون جو قرآن کریم کی ابتدائی آیۂ کریمہ میں بیان کیا گیا ہے دوبارہ اسی سورت کی وسطی آیت میں ایک اور صورت میں پیش کیا گیا ہے ۔

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِینَ

میں ایک اعلان ہے کہ خدا ساری اقوام عالم کا رب ہے ۔ یہ اعلان ایک سوال پیدا کرتا ہے کہ آیا خدا صرف جسمانیات کا رب ہے یا اقوام عالم کی روحانیات کا رب بھی ہے ۔ اس سوال کا جواب اسی سورت کی وسطی آیت کریمہ میں درج ہے اور وہ یہ ہے

اِھدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ
صِرَاطَ الَّذِینَ اَنعَمتَ عَلَیھِم

یعنی ہم اس قسم کی رہنمائی کے طالب ہیں جس کے حاصل ہو جانے سے ہم دنیا بھر کی قوموں کے ہادیوں اور بزرگوں کی روحانی وراثت حاصل کر سکیں اور وہ کون بزرگ ہیں جو مسلمانوں کے علاوہ دوسری قوموں میں پیدا ہوئے اور انہوں نے ان قوموں کو مشعل ہدایت دکھائی اور ان کو با خدا بنایا اور ان کو مخلوق کے لیے برکت کا موجب بنا دیا تھا ۔ ان کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح آیا ہے :

اُولٰئِکَ الَّذِینَ اَنعَمَ اللّٰہُ عَلَیھِم مِنَ النَّبِیِّینَ

وَالصِّدِّیقِینَ وَالشُّہَدَاءِ وَالصّٰلِحِینَ (سورہ انساء ۴ ، آیت ۶۸) -

جن شخصیتوں پر خدا تعالیٰ کے انعامات نازل ہوئے وہ دوسری قوموں کے انبیاء ھیں جن کو خدا تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ھوا اور جنھوں نے خدا سے وحی پا کر مخلوق کی صحیح راھبری فرمائی اور وہ دوسری قوموں کے صدیق یعنی حقیقت پرست اور راست باز بزرگ ھیں اور دوسری قوموں کے شہداء ھیں جنھوں نے خدا کا مشاھدہ کر لیا اور جنھوں نے اپنی موت سے خدا تعالیٰ کے برحق ھونے کی شہادت پیش کی تھی اور وہ دوسری قوموں کے صالحین ھیں جن میں تمام قسم کی صحیح اور مفید صلاحیتیں پائی جاتی تھیں اور ان کے پاک نمونے سے لوگ مستفید ھوتے تھے - غرض مسلمان کو عین عبادت کے اندر ایسی دعا کا مانگنا سکھایا گیا ھے جس سے قلب میں وسعت پیدا ھوتی ھے اور جس سے دنیا بھر کے ھادیوں سے سچی محبت کرنے اور ان کی تقلید کرنے کی سچی تڑپ پیدا ھوتی ھے - علاوہ ازیں اس قسم کے مخلصانہ معتقدات کے ذریعہ سے اقوام عالم میں حقیقی ارتباط و اتحاد پیدا ھوتا ھے اور آج کی دنیا کے سامنے اس سے بڑھ کر اور کوئی

سوال زیادہ اہمیت رکھنے والا نہیں ہے کہ قوموں میں حقیقی اتحاد پیدا کیا جائے۔

قران کریم کی یہ اہم ترین تعلیمات زمانۂ حال کی ضروریات کو احسن طریق سے پوری کرنے والی ثابت ہوں گی۔ یہ تعلیمات جو قران کریم پیش کرتا ہے پہلے بھی ہر ملک، ہر زمانہ اور ہر قوم کے لیے مفید ثابت ہوئیں اور آئندہ بھی مفید ثابت ہوں گی۔ اس اہم ضرورت کے پیش نظر وہ لوگ جو انسانیت کے بہی خواہ ہیں وہ ضرور ان تعلیمات کو اپنائیں گے اور ان تعلیمات کی تبلیغ کی طرف توجہ دیں گے۔

قرآن کریم کی یہ پہلی سورت ہے جس کی دو ایک آیتوں کا ذکر ابھی کیا گیا ہے۔ اس سورت کو اسلامی دنیا کے تمام مرد و عورت روزانہ اپنی عبادت میں دہراتے ہیں تاکہ اسلام کی تعلیمات کے اہم ترین مقاصد ان کے دلوں پر نقش ہو جائیں اور ہر وقت ان کے پیش نظر رہیں۔ دنیا بھر کی قوموں کی دعاؤں کو اس جامع دعا کے سامنے رکھ کر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جامعیت کسی دعا میں موجود نہیں ہے۔

حضور نبی کریم نے اس سورۂ فاتحہ یعنی قرآن کریم کی

پہلی سورت کو الاساس کا نام دیا ہے یعنی یہ سورت اسلام کی بنیادی تعلیمات پر مشتمل ہے - چنانچہ مذکورہ بالا بیان ظاہر کرتا ہے کہ یہ نام اپنے اندر ایک حقیقت لیے ہوئے ہے - حضور نے اس سورۃ کا نام الکنز بھی بیان فرمایا ہے یعنی یہ ایک بے بہا خزانہ ہے جو دنیا بھر کی ساری دولت سے بڑھ کر قیمتی ہے - دنیا بھر کی دولت وہ محبت اور ہمدردی، وہ اخوت عامہ، وہ عالمگیر مساوات پیدا نہیں کر سکتی جو اس سورۃ کی تلقین پیدا کر دیتی ہے -

حیات اجتماعیہ

اس سورت میں حیات اجتماعیہ کی تعلیم بھی دی گئی ہے - انفرادی زندگی مقاصد عالیہ کو حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوتی، اس لیے یہ سورت حیات اجتماعیہ کا قیمتی سبق دیتی ہے -

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنَ

اور

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

کے جمع کے صیغہ جات اسی مقصد کے پیش نظر استعمال کئے

گئے ہیں تا کہ قوم کو ہم آہنگی کا سبق دیں - ہم آہنگی کا سبق نہایت ہی اہم سبق ہے - تمام افراد مل کر عبادات کی بجا آوری میں مصروف ہوں - وہ مل کر قوم کے کمزور حصہ کی حالت سنوارنے کی طرف توجہ دیں - ان کا مال ایک جگہ جمع ہو کر قومی ضروریات اور اہم مقاصد کے لیے صرف ہو اور تمام افراد مل کر اطاعت کا سبق سیکھیں - یہ سارے مل کر ساری قوم کی خدمت کرنے والے بنیں جیسا کہ ایک جگہ اللہ تعالٰی نے فرمایا :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً

یعنی سارے کے سارے مسلمان ایک وقت میں قدم اٹھایا کریں اور سارے کے سارے مسلمان پوری، پوری اطاعت اختیار کرنے کی عادات ڈالیں - یہ بات عیاں ہے کہ یہ تعلیم ضامن ہے مقاصد عالیہ و مراتب عظیمہ کے حصول کی - اس لیے قوم کو اس اہم تعلیم کی طرف پوری پوری توجہ دینی چاہیے -

حکومت کرنے کا طریق

سورۂ فاتحہ میں جہاں اجتماعی زندگی بسر کرنے اور

آپس میں انتہا درجے کی ہمدردی و محبت کرنے کی تعلیم دی گئی ہے ۔ وہاں حکومت کرنے کا طریق بھی سکھایا گیا ہے ۔ جہاں اجتماع ہوگا وہاں حکومت کی ضرورت محسوس ہوگی ۔ اس حکومت کی نشان دھی بھی کی اور اس حکومت کا نقشہ بھی سورۃ فاتحہ نے پیش کیا ہے ۔ حکومت اس شخص کو سجتی ہے جو صاحب کمال ہونے کے علاوہ صاحب احسان ہو ۔ وہ لائق و فائق بھی ہو اور ہمدردی کرنا ، و سخاوت کرنا اس کی فطرت میں مرکوز ہو ۔ جو شخصیت صاحب کمال اور صاحب احسان ہو وہی دلوں پر قبضہ کر سکتی ہے اور اصل حکومت اسی کی ہوتی ہے جس کا دلوں پر راج ہو ۔ یہ دونوں صفات بدرجہ اتم اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں جن کا ذکر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

میں کیا گیا ہے ۔ اس کی مصنوعات، اس کی مخلوقات اور کائنات اس کے کمالات پر شاہد ہے اور وہ تمام کی تمام مخلوق کے لیے سر چشمہ احسانات و فیوض ہے ۔ اسی لیے اس کی حکومت لازوال ہے ۔ مسلمانوں کی حکومت بھی ایک مدت تک لازوال رہی کیونکہ ان کے حکمرانوں نے اپنے تئیں

خدا تعالیٰ کی صفات میں رنگین کر لیا تھا ۔ ان کے سامنے حضور نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ و التحیات کا یہ قیمتی ارشاد تھا :

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہ

اور ان کے سامنے خدا تعالیٰ کا یہ حکم بھی تھا :

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً

صاحب کمال اور صاحب احسان ہونے کے علاوہ مسلمان حکمران کے لیے رحمانیت اور رحیمیت کے رنگ میں رنگین ہونا بھی ضروری ہے ۔ احسان کرنے کے بعد رحم و کرم سے لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرنا حکمران کے لیے دلوں میں محبت پیدا کرتا ہے ۔ اسی رنگ کو لے کر صحابہ کرام شام میں گئے، ایران میں گئے، مصر و چین و ہندوستان میں گئے اور وہاں اپنے عدل و انصاف سے اور کرم و احسان سے محکوموں کو حاکموں کے برابر حقوق دینے میں اور ملک کو شاداب کرنے میں اور اہل ملک کو طرح طرح کے فائدے پہنچانے میں لاجواب کامیابی حاصل کی ۔

حکومت کا یہ رنگ گھروں میں ہو، یہی درسگاہوں

میں، دفتروں میں، یہی ہر محکمہ میں، یہی رنگ بڑے سے بڑے عہدیدار کے سامنے ہونا چاہیے۔ اس رنگ میں رنگین ہونے سے برکات کا نزول ہوتا ہے اور قوم کو امن و امان، راحت و سرور میسر آتا ہے۔ حکومت کرنے کے لیے جہاں رحم و کرم و جود و سخا کی ضرورت ہے، بعض حالتیں ایسی بھی نمودار ہو جاتی ہیں جہاں اصلاح کی خاطر سختی کرنا نہایت ہی ضروری ہوتا ہے۔ جو حکمران سر چشمۂ رحم و کرم ہو اور جس کے سامنے سزا دینے کا اصل مقصد اصلاح ہو، چونکہ ایسے حکمران سے لوگ محبت کرتے ہیں اس لیے اس کی سزا کو بھی بخوشی قبول کرتے اور اس سے سرتابی کرنا معیوب سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حکومت کے اسی پہلو کو

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ

کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ خالق ہونے اور رب ہونے اور رحمٰن و رحیم ہونے کے ساتھ ساتھ خدا تعالیٰ مالک یوم الدین بھی ہے۔ اس کے قانون میں جہاں رحم و کرم اور احسانات و افضال کے چشمے بہتے نظر آتے ہیں وہاں برے فعل کی پاداش کا قانون بھی کام کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

لیکن وہ اس قانون کو بطور مالک کے استعمال کرتا ہے۔ مالک کو اپنی مملوکہ اشیاء سے محبت ہوتی ہے۔ باغ کا مالک اس کا اجڑنا پسند نہیں کرتا۔ مکان کا مالک اپنے مکان کی تباہی نہیں چاہتا۔ ماں باپ کی محبت اپنی اولاد سے انتہا درجہ تک پہنچی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ محبت سے اپنی اولاد کی اصلاح کے درپے رہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ہم سب کا مالک ہے۔ وہ ماں باپ سے بڑھ کر ہم سے محبت رکھتا ہے کیونکہ ہم اس کی مخلوق بھی ہیں اور اس کے مربوب بھی اور وہ ہمارے ساتھ وہ محبت کرتا ہے جو مالک کو اپنی مملوکہ اشیاء سے ہوتی ہے۔ جب وہ سزا دیتا ہے تو اس کی غرض اصلاح ہوتی ہے۔ اس کی اصلاح میں بھی محبت کارفرما ہوتی ہے۔ اسی طرح سے مسلمان حکام بھی خدا تعالیٰ کے نمائندے بن کر قوم کے بعض افراد کو سزا اس لیے دیتے ہیں کہ ان کی اصلاح ہو جائے۔ اس دنیا میں خدا تعالیٰ کا قانون سزا کام کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ ایک شخص آگ میں کود پڑتا ہے، دوسرا زہر کی پھانکی لگا لیتا ہے۔ یہ دونوں ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح گناہ کی زندگی ہلاکت کا پیش خیمہ ہوتی ہے ایسی زندگی سموم سے بڑھ کر خطرناک و مہلک ثابت ہوتی

ہے - گناہ کی زندگی اختیار کرنے سے خوبصورت جوانی جاتی رہتی ہے، دولت برباد ہو جاتی ہے اور شہرت و عزت خاک میں مل جاتی ہے - اسی لیے حضور نے فرمایا

اِنَّ الذُّنُوبَ تُغَیِّرُ النِّعَمَ

گناہ کی زندگی اختیار کرنے سے نعماء تباہ ہو جاتی ہیں - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کے ارتکاب کے اندر سزا موجود ہوتی ہے - اگر کوئی ہوشیار شخص انسانوں کی نگاہ سے بچ کر کوئی ناکارہ فعل کر بیٹھے تو اس کا دل اس کو ملامت کرتا رہتا ہے اور فعل بد کی یاد اس کو ستاتی رہتی ہے جس سے اس کے دل کا چین جاتا رہتا ہے - وہ بیقراری اور اضطراب کا شکار ہو جاتا ہے - اسی وجہ سے اس کی نیند جاتی رہتی ہے - اسی لیے حضور نے فرمایا

اَلْاِثْمُ مَا حَاكَ فِیْ نَفْسِكَ وَیَتَرَدَّدُ فِیْ قَلْبِكَ
وَتَخَافَ اَنْ یَطَّلِعَ النَّاسُ عَلَیْهِ -

یعنی گناہ تمہارے دل میں دھڑکن پیدا کرتا ہے اور برے فعل کی یاد بار بار دل میں آموجود ہوتی ہے اور پیچھا نہیں چھوڑتی اور تمہیں یہ خوف لگا رہتا ہے کہ کہیں لوگوں

کو آپ کی اس نازیبا حرکت کی اطلاع نہ ہو جائے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قانون پاداش ہر وقت اپنا کام کرتا ہے۔ اس ذلت سے بچنے کے لیے خدا ترسی اور نیک عملی کی زندگی بسر کرنا انسان کے لیے موجب برکت ہے۔ حضور نے فرمایا

اَلبِرُّ مَا اطْمَئَنَّ اِلَیْهِ قَلْبُكَ

نیکی سے آپ کو راحت میسر آتی ہے اور اس سے زندگی با برکت بنتی ہے۔ نیکی سے محبت کرنا انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے اور بدی سے نفرت کرنا بھی اس کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے۔

بعض لوگوں نے گناہ کے اقسام لکھے ہیں لیکن حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے گناہ اور نیکی کا وہ فلسفہ بیان کیا جو عالمگیر ہے اور ہر انسان کی طبیعت کے اندر موجود ہے۔ حضور نبی کریم کے ارشادات مکان و زمان کے حدود و قیود سے بہت بالاتر ہیں۔ ایک امی شخص جوامیوں میں پیدا ہوا ہو، اس کی نشو و نما بھی امیوں کے درمیان ہوئی ہو، وہ ایسا ہمہ گیر فلسفہ بیان کرتا ہے جو دائم و قائم رہنے والا

فلسفہ ہے ، جس کو ہر انسان قبول کرتا ہے اور جس کو کبھی بھی رد نہیں کیا جا سکتا ۔

سورۃ البقرہ

الٓمٓ ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۔ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔

سورۂ فاتحہ کے بعد یہ دوسری سورت ہے جس کی ابتدائی چار آیات اوپر درج کی گئی ہیں ۔ ان آیات میں ایک نہایت وسیع اور جامع تعلیم بیان کی گئی ہے ۔ پرانے زمانے کی تصنیفات کا یہ اسلوب تھا کہ مضمون کے شروع کرنے سے پیشتر لمبی چوڑی تمہید قلم بند کی جاتی تھی لیکن زمانہ حال کی تصنیفات غیر ضروری تمہیدوں اور دیباچوں کو نظر انداز کرکے نفس مضمون کو بیان کرنا شروع کر دیتی ہیں ۔

اعلیٰ درجہ کے مضمون نویس وہی لوگ سمجھے جاتے ہیں جو ابتدائی چند جملوں میں اپنے موضوع کی اصلی غرض وغایت کو بیان کر دیتے ہوں ۔ اس اسلوب تحریر کو جو زمانہ حال کی خصوصیت ہے قرآن کریم نے اختیار کر رکھا ہے ۔ قرآن کریم کے مضامین میں بھی زمانہ حال کی ضروریات کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور اس کی طرز تحریر آج سے چودہ صدیاں پیشتر ہی ایسی تھی جس کی زمانہ حال کا مصنف اب تقلید کرتا ہے ۔ اس کے بیان کردہ نظریات مقبول ہیں ۔ اسی طرح اس کی اسلوب تحریر بھی مرغوب ہے ۔

زیر بحث آیات کے متعلق اوپر لکھا گیا ہے کہ یہ نہایت وسیع اور جامع تعلیم پرمشتمل ہیں ۔ اس کتاب کا مصنف وہ ہے جس نے ساری موجودات کو پیدا کیا اور خالق و موجد ہونے کی وجہ سے اس کائنات کے ہرگوشے اور اس کے ہر حصہ اور ہر طبقہ سے پوری پوری واقفیت رکھتا ہے اور اسی طرح اس کائنات کے نہایت قیمتی اس حصہ کا پورا پورا علم رکھتا ہے جس کو انسانیت کہتے ہیں ۔ جیسا کہ فرمایا :

خَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ وهو بكل شىءٍ عَلِيمٌ[۸]

اس علم کی بناء پر یہ کتاب اسی کی جانب سے انسانیت کی رہنمائی کے لئے نازل کی گئی ہے۔

الٓمٓ ذٰلِكَ الْكِتَابُ

کے الفاظ میں الٓمٓ کا لفظ آیا ہے۔ اس کی تشریح حضرت ابن عباس نے یوں کی :

اَنَا اللّٰهُ اَعْلَمُ

یعنی میں ہوں اللہ جو کائنات کا خالق ہے، اور خالق ہونے کی وجہ سے اس کے ہر ذرہ کا علم رکھتا ہے اور انسانیت کی ضروریات کا بھی پوری طرح علم رکھتا ہے۔ اس علم محیط کی بناء پر یہ کتاب نازل کی گئی ہے۔ یہ کتاب تمام دینا کے لیے موجب ہدایت ہے، جیسا کہ فرمایا۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِيْنَ

اور فرمایا خدا رب العالمین ہے۔ تو یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ جیسا کہ اس ضمن میں فرمایا :

تَنْزِيْلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

لیکن فرمایا کہ جس طرح بارش ہر جگہ پر پڑتی ہے

لیکن صرف وہ حصہ زمین اس سے پورے طور پر فیضیاب ہوتا ہے جو تخم ریزی کے لیے موزوں ہو اور بارش کے پانی کی مناسب مقدار اپنے اندر جذب کر لیتا ہو، اسی طرح سے اس کتاب کی تعلیمات گو ساری اقوام عالم کے لیے ہیں لیکن صرف خدا ترس لوگ ہی اس سے متفید ہو سکتے ہیں۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ

کے الفاظ اسی مقصد کو بیان کرنے کے لیے ہیں۔ یعنی قرآن کریم کی تعلیمات سے پورا فائدہ وہی حاصل کر سکتے ہیں جو خدا خوف ہوں اور خدا خوف وہ لوگ ہوتے ہیں جو ہر غیب کی حالت میں جہاں ان کو دیکھنے والا کوئی نہ ہو خدا کو سامنے پاتے ہیں اور اُن کا ہر فعل اور ہر معاملہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ خدا کو ہر حالت اور ہر صورت میں اپنے سامنے رکھتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ خدا ہم کو دیکھتا ہے اور وہ ہمارے افعال کے علاوہ ہماری نیات سے بھی واقف ہے۔ یہ ایمان اُن کو اس معرفت کے بعد نصیب ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو زندگی جیسی نعمت عطا کی ہے اور اس نعمت کے قیام کے لیے زمین و آسمان کو ہماری خدمت میں لگا رکھا ہے۔ اس قسم کا ایمان اُن کے دلوں کو

منور کر دیتا ہے۔ اس لئے وہ خلوص کے ساتھ اس کی عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں جس حالت کو یقیمون الصلواۃ کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں اور اس کی عبادت دلوں میں اس کی مخلوق کی خدمت کرنے کا جذبہ پیدا کر دیتی ہے جو ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے:

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ

یعنی خدا کی مخلوق کی ہمدردی کی خاطر اور رضا الہی کے حصول کی خاطر وہ اپنے اموال صرف کرتے ہیں۔ مال چونکہ انسان کی ضروریات کو پورا کرتا ہے اس لئے انسان کو مال سے شدید محبت ہوجاتی ہے۔ اسی لئے اس کے واسطےاس کا ھاتھ سے دے دینا مشکل ہوتا ہے اور اسی لئے اس محبوب چیز کو خدا کے لئے اور خدا کی مخلوق کے لئے خرچ کر دینا انسان کے خلوص کی دلیل ٹھہرتا ہے، جیسا کہ فرمایا:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا

غرض خدا تعالیٰ کی معرفت جب دل کے تمام گوشوں کو روشن کر دیتی ہے تو وہ اس کی عبادت و فرماں برداری حضور

قلب سے بجا لاتا ہے اور اپنا مال اس کی خوشنودی کے لیے اس کی مخلوق پر خرچ کرنے میں لذت محسوس کرتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ اہم ترین اغراض دینیہ یہی ہیں ۔ کہ انسان کو خدا تعالیٰ کا عرفان نصیب ہو اور وہ اس کی مخلوق کے ساتھ سچی ہمدردی و محبت کرتا ہو اور اس کی بہبود کے لیے اپنا مال صرف کرتا ہو ۔

یہ امر واضح ہے کہ مال صرف کرنا صرف اسی صورت میں میسر آتا ہے جب انسان کے دل میں اپنے ہم جنسوں کے لئے جذبۂ محبت ہو ۔ جب وہ مخلوق خدا سے اس قسم کی محبت کا اظہار کرتا ہے تو خدا کی مخلوق کے دل بھی اس کی محبت سے لبریز ہو جاتے ہیں ۔ اگرچہ اسلامی تعلیمات متقاضی ہیں کہ عامتہ الناس سے فیاضی برتی جائے تاکہ اتحاد قومی مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے لیکن یہ جذبات عام طور پر اس کی قوم کے اندر محدود رہتے ہیں ۔ ان قیمتی جذبات کو وسیع پیمانہ پر اس طرح عمل میں لایا جا سکتا ہے کہ تمام قوموں کے مذہبی رہنماؤں سے سچی عقیدت مندی کا اظہار کیا جائے اور وہ کتابیں جو ان رہنماؤں پر نازل ہوئی ہوں ان پر بھی ایمان لایا جائے ۔ جب انسان دوسری

قوموں کی بزرگ شخصیتوں کے ساتھ خلوص دل سے ارادتمندی رکھے گا اور ان پر جو کتابیں نازل ہوئی ہوں ان پر بھی ایمان لانے گا تو اس کی اخوت اور محبت کا دائرہ بہت وسیع ہو جائے گا۔ اس کا رد عمل یہ ہوگا کہ عامة الناس اس قسم کے معتقدات رکھنے والے انسانوں پر سو جان سے قربان ہونے کو تیار ہو جائیں گے۔ یہ بات انسانی فطرت میں پائی جاتی ہے کہ اگر ہم کسی شخص کے بزرگ باپ کی تعظیم کریں تو ہمارا یہ فعل اس شخص کے دل میں ہماری تعظیم پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ یہ بات موثر ثابت ہوتی ہے جب ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ ہمارے پیغمبر اور حضرت عیسیٰ ہمارے پیغمبر ہیں، کرشن مہاراج ہمارے بزرگ ہیں، زرتشت ہمارے محترم بزرگ، بابا نانک ہمارے محترم بزرگ ہیں اور بدھ بھی ہمارے نزدیک قابل تعظیم و تکریم ہیں تو اس سے ان قوموں کے دل متاثر ہوتے ہیں جو ان کو اپنا پیشوا یقین کرتی ہیں۔ مقسوقس شاہ مصر کے دربار میں حاطب نے کہا :

لَسْنَا نَنْهَاكَ عَنْ دِيْنِ الْمَسِيْحِ وَلٰكِنْ نَأْمُرُكَ بِهٖ

یعنی ہم آپ کو حضرت عیسیٰ اور اس کے دین سے دست

بردار ھونے کی تلقین نہیں کرتے بلکہ ھم یہ تلقین کرتے ھیں کہ ان پر ایمان لانا فرض ھے ۔ اسلام یہ تلقین نہیں کرتا کہ یہودی یا عیسائی یا ھندو یا سکھ یا بدھ یا پارسی اپنے بزرگوں کو ترک کرکے اسلام قبول کریں ۔ نہیں، ھرگز نہیں ۔ ھم تو تمام کی تمام قوم کے ھادیوں کی بزرگی اور ان کے اخلاق فاضلہ کے قائل ھیں اور ان پر ایمان لانا اپنا فرض سمجھتے ھیں اور اس بناء پر ایک حقیقی اور سچی اور پکی اخوت عامہ کی بنیادیں استوار کرنے کے عزائم رکھتے ھیں ۔

اسی غرض کے پیش نظر اس سورت کی مذکورہ بالا آیات میں یہ قیمتی تلقین کی گئی ھے :

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۔

مسلمانوں کا یہ ایمان ھے کہ جو کتاب محمد رسول ﷺ پر نازل ھوئی ھے وہ برحق ھے اور اسی طرح سے وہ کتابیں بھی برحق ھیں جو نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پیشتر مختلف زبانوں میں مختلف رھناؤں پر مختلف قوموں کی بھلائی کے لئے جناب الٰہی نے نازل کی تھیں ۔ جب ساری دنیا کی قومیں اس

قسم کے ایمان و معرفت کی دولت سے مالا مال ہو جائیں تو ایک نہایت ہی حقیقی اخوت اور حقیقی امن و امان کی فضا کا پیدا ہو جانا یقینی امر ہوگا - اس مقصد عظیم کو پیش نظر رکھنے والے لوگ مبارک ہیں کیونکہ

اُولٰئِكَ عَلٰى هُدًى

یہی لوگ صحیح راستہ پر گامزن ہیں اور

اُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

اور یہی لوگ حقیقی کامیابی سے ہم کنار ہوں گے- یہ ہے قرآن کریم کی دوسری سورت کا اعلان جو نہایت ہی اہم اور جو نہایت ہی معقول اور نہایت مفید ہے - اس اعلان کے الفاظ کا اختصار ملاحظہ ہو اور اس اعلان کی اہمیت و وسعت بھی ملاحظہ ہو - پھر اس کی معقولیت اور افادیت عامہ ملاحظہ ہو اسی لئے فرمایا

وَاِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ

یعنی یقیناً یہ قرآن کریم ہے ' یعنی اس کی تعلیمات میں حقیقی کرم اور حقیقی جود و سخا ہے جس سے دنیا مستفیض ہوگی -

ایک اور اعلان جس میں تمام اقوام عالم مخاطب ہیں یہ ہے

قُلْ اٰمَنْتُ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتَابٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۔ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۔ لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۔ (الشوری ۴۲ آیت ۱۴)

خدا تعالیٰ نے حضور نبی کریم کو مندرجہ بالا اعلان کرنے کا حکم دیا ہے ۔ جس کا پہلا جملہ ۔

اٰمَنْتُ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتَابٍ ہے

یعنی جو بھی کتاب کسی قوم کے لئے کسی پیغمبر پر کسی زمانہ میں کسی زبان میں نازل ہوئی ہو اس پر میں ایمان لاتا ہوں ۔ یہ اعلان نہایت اہم اور نہایت مفید ہے ۔ یہ دلوں میں وسعت پیدا کرنے کا موجب ہے ۔ یہ تعصب کی میل کچیل دور کرکے دلوں کو پاک کرتا ہے ۔ اعلان کے اس جملہ میں یہ الفاظ

مِنْ كِتَابٍ

غور کے قابل ہیں یعنی جو بھی کتاب آدم سے لے کر

اس وقت تک جناب الہی کی سرکار سے نازل ہوئی ہو میں اس پر ایمان لاتا ہوں - آسمانی کتابیں مختلف اقوام کے لئے مختلف انبیاء پر مختلف زبانوں میں نازل ہوئیں - چنانچہ فرمایا

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ -

توراۃ کی زبان عبرانی تھی انجیل کی آرمیئک، وید کی سنسکرت اور ژند اوستا کی فارسی تھی - اسی سلسلہ میں فرمایا :

لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ

ہر قوم میں ہادی ہو گذرا ہے اور فرمایا :

رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ

وہ رسول بھی ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں آ گیا اور وہ بھی ہیں جن کا ذکر نہیں کیا گیا - بہر حال یہ اصول مدنظر ہونا چاہیے کہ ہر قوم میں ہادی پیدا ہوا اور ہر قوم کو آسمانی کتاب عطا ہوئی اور ان آسمانی کتابوں کی زبانیں قدرتی طور پر مختلف تھیں - ان تمام آمور کو قرآن کریم کے دو الفاظ من کتاب اپنے اندر لئے ہوئے ہیں - یعنی جو کوئی بھی کتاب

اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہو - اس پر میں ایمان لاتا ہوں - اس اعلان کا دوسرا جملہ یہ ہے :

وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ

یعنی مجھے یہ بھی حکم ہؤا ہے کہ میں تمہارے معاملہ میں عدل و انصاف سے کام لوں - میرے عدل و انصاف اور میرے ایمان کے رو سے یہ امر واضح ہے کہ ہم سب کے سب خدا تعالیٰ کی نعماء میں برابر کے شریک ہیں -

اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ

ہمارا خالق بھی ایک ہے اور ہماری جسمانی اور روحانی نشو و نما اور تربیت کرنے والا بھی ایک ہی ہے اور وہ ہمارا اور آپ کا خالق ہے اور وہی ہمارا اور آپ کا محسن و مربی ہے - اسی نے ہم سب کو جسمانی اور روحانی استعدادیں اور صلاحیتیں عطا کی ہیں اور وہی ہماری صلاحیتوں اور استعدادوں کی نشو و نما کے اور تربیت کے مناسب اسباب فراہم فرماتا ہے اور اس کے عالمی قانون میں یہ بات بھی پائی جاتی ہے - کہ جیسا کوئی بوتا ہے ویسا ہی کاٹتا ہے - یہ قانون جو کسی شخص کی رعایت کرنا نہیں جانتا ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے :

لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ

یعنی اگر ہم اچھے کام کریں گے تو ہم کو اچھا پھل ملے گا اور اسی طرح اگر آپ اچھے کام کرو گے تو ضرور ہے کہ آپ کو اچھا پھل نصیب ہو۔ اور اگر ہم برے کام کریں تو نتیجہ خراب ہی ہوگا اور تمھارے برے کاموں کا نتیجہ بھی خراب ہوگا۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اس ضمن میں فرمایا

مَن بَطَّأَ بِہٖ عَمَلُہٗ لَم یُسرِعْ بِہٖ نَسَبُہٗ

یعنی کسی عالی نسب انسان کی بد اعمالی اگر اس کو پیچھے رکھے تو اس کا نسب اسے آگے نہیں کر سکتا اور آیت

مَنْ عَمِلَ صَالِحاً فَلِنَفْسِہٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَیْہَا

بھی اس مفہوم کو بیان کرتی ہے یعنی جو شخص بھی اچھا کام کرے گا ضرور ہے کہ اس کو اس کا فائدہ پہنچے اور جو شخص برا کام کرے گا ضرور ہے کہ اس پر اس کا وبال آئے غرض انسان کسی قوم کا یا کسی مذہب کا پیرو ہو ان سب کے لیے یہی ایک قانون ہے۔ اسی طرح فرمایا :

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ

کسی انسان کے اچھے اعمال کی نا قدری نہ کی جائے گی اور فرمایا :

وَلَيْسَ اللهُ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدَ

سارے انسان میرے ہی بندے ہیں - میں اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا - اس ضمن میں حضور نے فرمایا :

اِنِّیْ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ

خود میں بھی عذاب میں گرفتار ہو جاؤں اگر خدا کے احکام کی نا فرمانی کروں - غرض ساری انسانیت کے لئے ایک ہی قانون ہے اور یہ قانون اٹل ہے اور یہ قانون شخصیتوں کی پروا کرنا نہیں جانتا -

اِنَّ الذُّنُوْبَ تُغَیِّرُ النِّعَمَ

یعنی گناہ نعماء کو برباد کر دتیے ہیں - کون نہیں جانتا کہ گناہ کی زندگی اختیار کرنے سے صحت برباد ہو جاتی ہے ، دولت تباہ ہو جاتی ہے اور عزت جاتی رہتی ہے - یہ قانون عام ہے جو مشرق و مغرب کے باشندوں کے لئے رب العالمین نے مقرر کر رکھا ہے -

رب العالمین کا یہی قانون ہے کہ نیک کردار لوگ جس ملک اور جس ملت میں ہوں اپنے لئے اور اپنے ہم جنسوں کے لئے با برکت ثابت ہوں گے اور بد خصلت انسان جس ملت اور جس ملک میں ہوں اپنے لئے اور اپنے ہم جنسوں کے لئے نقصان رساں ثابت ہوں گے۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِناً كَمَنْ كَانَ فَاسِقاً لَا يَسْتَوُوْنَ عِنْدَ اللهِ۔

بھلا وہ جو احکام الہٰی پر عمل کرتا اور وہ جو احکام الہٰی کی خلاف ورزی کرتا ہے برابر ہو سکتے ہیں ؟

اَفَنَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ

بھلا جو لوگ فسق و فجور کی زندگی بسر کرتے ہوں وہ کبھی خدا خوف لوگوں کے برابر ہو سکتے ہیں ؟ اس مضمون کے ایک پہلو کو اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے :

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّراً نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

(الانفال ۸ آیت ۵۵)

ایسا کرنا خدا کے لیے ممکن ہی نہیں اور اس کی شان کے

شایان نہیں کہ کسی قوم کو اپنی نعمتوں سے نوازے اور پھر ایک متلون مزاج حکمران کی طرح جب چاہے ان سے چھین لے - ان نعمتوں کو برباد و تلف کرنے والی وہ خواهشات نا پسندیدہ هیں جن کی بدولت وہ بد اعمالیوں کے مرتکب هوتے هیں اور اپنی صحت اور دولت اور عزت کو برباد کر لیتے هیں - غرض سب اقوام کو یہی تعلیم دی گئی هے کہ همارا اور تمهارا خدا ایک هے اور همارے تمهارے خدا کا قانون بهی هم سب کے لئے ایک هے - اس اعلان میں یہ بات بهی بتائی گئی هے کہ جب هم ان معتقدات کو تسلیم کر لیں تو پهر همارے اور تمهارے درمیان نزاع کی کوئی بات باقی نہیں رهنا چاهیے اور اس کا نتیجہ یہ هوگا کہ هم ایک هو جائیں گے جیسا کہ الفاظ

اللّٰہُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا

کا منشا هے -

یہ تعلیمات جن کا ابهی ذکر هوا هے ثابت کرتی هیں کہ حضور نبی کریم ساری اقوام عالم کے لئے رسول هو کر آئے اور ساری قوموں کو متحد هو جانے کے لیے انهوں نے ایسے اصول تلقین فرمائے جو دلوں میں اتر جاتے هیں اور

انسانوں کو متحدہ زندگی بسر کرنے پر آمادہ کر دیتے ھیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے حین حیات میں ان اصولوں نے دلوں میں انقلاب پیدا کر دیا اور مختلف مذاھب اور مختلف نسلوں کے لوگ حضور کے جھنڈے تلے بھائی بھائی بن کر آ جمع ھوئے - ان میں مشرکین عرب بھی تھے، یہودی بھی تھے، نصرانی بھی تھے اور خال خال ایرانی و شامی و مصری اور افریقی بھی تھے -

بین الاقوامی مذھب

اس اصل الاصول کو ذیل کے الفاظ میں بیان کیا ھے:

قُلْ یَآ اَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَنْ لَا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ -

(آل عمران ۳ آیت ۵۷)

اس آیت کریمہ میں تمام کے تمام مذاھب کے متبعین کو مخاطب کیا ھے اور اس خطاب میں ایک مشترک امر کو اتحاد و ارتباط کی بنیاد قرار دیا ھے - وہ امر مشترک خدا تعالیٰ کی توحید ھے - دنیا میں وہ کون سا مذھب ھے جو

خدا تعالیٰ کو نہیں مانتا ۔ سب کے سب لوگ خدا کو مانتے ہیں ۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے انسانیت کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لئے اس مشترک امر یعنی خدا کی ہستی کو اساس قرار دیا ہے جس کو تسلیم کرنے سے اقوام عالم متحد ہو سکتی ہیں ۔ اس اصول کے علاوہ جس قدر دوسرے امور ہیں ان کے متعلق قطعاً کسی قسم کی بحث درمیان میں نہیں لائی گئی تا کہ اتحاد حاصل کرنے کے راستہ میں کسی قسم کی روک حائل نہ ہو ۔ اس اعلان سے حضور نبی کریم صلعم کے دل کی تڑپ کا پتہ چلتا ہے کہ وہ متمنی تھے اس بات کے کہ دنیا کی قومیں ایک ہو جائیں اور اس طرح سے عالمی امن کی بنیاد پڑ جائے ۔ اس کو مد نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے حضور کی نسبت فرمایا ہے کہ آپ تمام انسانیت کے لئے ابر رحمت ہیں :

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اسی مضمون کا ایک اور اعلان ہے جو مسلمانوں کی طرف سے مختلف مذاہب کے پیروؤں کو سنایا گیا ہے ۔ اس اعلان کے الفاظ یہ ہیں :

قُولُوا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ
عَلٰى اِبْرَاهِيمَ وَاِسْمَاعِيلَ وَاِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَمَا
اُنْزِلَ عَلٰى مُوسٰى وَعِيسٰى وَمَا اُنْزِلَ عَلٰى الْاَسْبَاط
لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُسُلِه وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُون

(البقرہ ۲ آیۃ ۱۳)

اے مسلمانوں لوگوں پر اپنے ان معتقدات کا اظہار کرو کہ ہم خدا واحد لا شریک کو مانتے اور اس کے رسولوں کو اور ان کتابوں کو مانتے ھیں جو ان پر نازل ھوئیں مثلاً ابراھیم ، اسماعیل ، اسحاق اور یعقوب پر جو کچھ نازل ھوا اور یہودیوں اور عیسائیوں کو ملحوظ رکھتے ھوئے ان کتابوں کو تسلیم کرتے ھیں جو موسیٰ اور عیسیٰ پر نازل ھوئیں۔ غرض کوئی ایک پیغمبر نہیں جس پر ھم ایمان نہ لاتے ھوں

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُسُلِه

یہ تو خدا کو رب العالمین ماننا نہ ھوا کہ صرف اپنے پیغمبر کو تسلیم کر لیا اور دوسری قوموں کے پیغمبروں کا انکار کر دیا۔ غرض ھم سب پیغمبروں کو سچا تسلیم کرتے ھیں

وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ

اور هم ایسا کرنے میں خدا تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرتے هیں - اسی لئے هم ضرور تمام اقوام عالم کے رهناؤں اور هادیوں کو سچا ماننے کا اعلان کرتے هیں - یه اعلان روا داری کے طور پر نہیں بلکه همارے ایمان اور معتقدات کا جزو هے که هم خدا تعالیٰ کے سب فرستادوں کو سچا تسلیم کریں اور خلوص سے ان کی تعظیم و تکریم کریں - اسی قسم کا ایک اور اعلان جو رسول کریم صلی الله علیه وسلم کی جانب سے اور ان کی اُمت کی جانب سے مشتہر کیا گیا وہ یه هے :

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ
كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ - لَانُفَرِّقُ
بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرة ۲ آیة ۲۸۵)

یعنی الله کا رسول اور ان کے متبعین سب کے سب اس بات پر ایمان لاتے هیں که خدا هے اور اس نے اپنی مخلوق کو اپنی رضاء کی راهوں سے روشناس کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً اپنے سفیر یعنی رسول بھیجے اور ان پر کتابیں نازل کیں - الله کا رسول اور مسلمان مل کر اعلان کرتے هیں که هم سب آسمانی

کتابوں پر ایمان لاتے ھیں اور سب رسولوں پر ایمان لاتے ھیں اور ھم خدا کے کسی ایک فرستادہ کا انکار نہیں کرتے اور یہی دین اسلام ھے -

وَ نَحۡنُ لَہٗ مُسۡلِمُوۡنَ

یعنی ھم خدا کے ان اصولوں اور احکام کی فرمانبرداری کرتے ھوئے اس قسم کا اعلان بطور مسلمان کر رھے ھیں -

بعض وساوس کا تذکرہ اور ان کا ازالہ

مثلاً اگر خدا ایک ھے تو مذاھب کیوں مختلف ھیں - مثلاً ایک پنڈت کس طرح اچھوت کو بھائی یقین کر سکتا ھے - مثلاً ایک راجپوت مساوات انسانی کے نظریہ کی خاطر اپنی نسلی شان امتیاز کو کیونکر خیر باد کہہ دے - مثلاً بنی اسرائیل جو خدا کی محبوب ترین قوم ھے وہ کسی دوسری قوم کا اپنا ھمسر ھونا کس طرح قبول کر سکتی ھے - مثلاً ھندو کس طرح یقین کرے کہ برھما کی دھرتی کے باھر جو قومیں آباد ھیں ان کو کیونکر ملیچھ نہ سمجھا جائے - مثلاً انگریز یا جرمن کیونکر اس امر کو تسلیم کریں کہ ان کو دوسری قوموں پر برتری حاصل نہیں ھے - وہ کیونکر

یقین کرلیں کہ مشرق اقوام کو غلام بنا کر رکھنا اور ان کے پسینہ کی کمائی ہوئی دولت کو سمیٹ کر یورپ میں لے جانا ظلم ہے - اسی طرح سفید فام اقوام کو کس طرح یقین دلایا جائے کہ کالے آدمی خدا کی مخلوق ہیں اور کالے آدمیوں کو خدا نے ویسی ہی استعدادیں اور صلاحیتیں عطا کر رکھی ہیں جیسی اس نے سفید فام اقوام کو دے رکھی ہیں - اسی طرح زبان کی وجہ سے جو اختلاف ہے اس کو کس طرح دور کیا جائے - ازیں قبیل اختلافات کے مٹانے کے بغیر پوری یک جہتی پیدا نہیں ہو سکتی - ان اختلافات کو مٹانے کے لیے بلند پایہ نظریات کا موثر اور مضبوط طریق سے دلوں میں بٹھا دینا صرف اس بلند پایہ انسان کا کام ہے جو ان اختلافات کا علم رکھتا ہو اور وہ یہ علم بھی رکھتا ہو کہ اختلافات پیدا کرنے والی روایات اور نظریات کس حد تک دلوں میں مضبوط جڑ پکڑے ہوئے ہیں اور کون سا طریق اختیار کرنے سے ان نقصان دہ اعتقادات اور روایات کومستأصل کیا جا سکتا ہے - یہ مشکل ترین کام حضور کے پیش نظر تھا - ان دشوار ترین مسائل کا علم جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دیا تھا وہ ذیل کی آیات بینات سے واضح ہو

جاتا ہے:

۱- یَا اَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيراً مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتَابِ

(المائد ۵ آیة ۱۸)

۲- وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (النحل ۱۶ آیة ۴۴)

۳- وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ

(النحل ۱۶ آیة ۶۶)

ان آیات بینات میں حضور نبی کریم صلعم کے ذمہ یہ مشکل ترین خدمت لگائی گئی ہے کہ لوگ اپنی آسمانی کتابوں کے ہوتے ہوئے اختلافات میں پھنس کر رہ گئے تھے- ان اختلافات کے مٹا دینے کا فریضہ آپ کے ذمہ لگایا گیا تھا - بعض اوقات اہل کتاب کو بتانا ہوگا کہ تمھاری کتابوں میں بعض امور ایسے ہیں جن کو تم تعصب کی وجہ سے بیان کرنے کی بجائے چھپائے رکھتے ہو اور بعض امور میں اختلافات اصولی نہیں بلکہ سطحی ہیں - مثلاً رسومات کو مذہب

سمجھ لینے سے تو انسان صحیح راستہ سے بھٹک جاتا ہے اور بعض اختلافات اصول دین کے خلاف ہیں۔ مثلاً کسی بزرگ ہستی کی کرامات دیکھ کر اس کو خدائی کا درجہ دے دینا اور اس کی پرستش شروع کر دینا۔ اور بعض اختلافات ایسے ہیں جن کے باعث خود خدا تعالیٰ کی ذات پر اعتراض پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہ نجات صرف بنی اسرائیل کے لئے یا صرف ہندوؤں کے لئے مخصوص ہے غرض اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم پر یہ فریضہ عائد کیا۔ کہ آپ بین‌الاقوامی نظریات اور معتقدات کا اعلان کر دینے کے بعد دلوں سے اختلافات کی جڑ اکھاڑ پھینکنے کی طرف بھی متوجہ ہوں اب ان اختلافات کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

اگر تمام انبیاء خدا تعالیٰ کی جناب سے آئے تھے تو انہوں نے مختلف معتقدات کیوں بیان کئے؟ اگر ایک ہی سرچشمہ سے سب پیغمبر سیراب ہوئے تھے تو ان کی تعلیمات مختلف نہ ہونا چاہئے تھیں۔ اس کے متعلق فرمایا:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ
وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (النحل ۱۶ آیۃ ۳۸)

ہم نے ہر قوم کے پاس اپنا رسول بھیجا اور ہر رسول نے یہی پیغام اپنی قوم کو دیا کہ خدا واحد لا شریک ہے، صرف اس کی عبادت کرنا اور غیروں کی عبادت سے بچنا ۔

ہندوؤں کی اصل تعلیم یہی ہے کہ پرمیشر کی عبادت کرنا چاہیئے جو واحد ہے اور جو مخلوق کی خدمت کرنے سے راضی ہوتا ہے ۔ لیکن پنڈتوں نے اس تعلیم کے اندر اپنی اغراض کو پورا کرنے کی خاطر اور اپنی سرداری قائم کرنے کی غرض سے پتھروں کی پرستش کرنے کا حکم دے دیا ۔ مگر ہندو مت میں وہ لوگ بھی پیدا ہو گئے ہیں جو خالص توحید کے قائل ہیں اور بت پرستی کو وید کی تعلیمات کا حصہ تسلیم نہیں کرتے ۔ ہندوؤں میں ایسے مہا پرش پیدا ہوئے جو توحید کے قائل تھے اور صرف خدا کی بھگتی کرتے تھے ۔ کرشن جی مہا راج کی تعلیم میں خالص توحید کا پرچار ہے لیکن لوگوں نے خود انہیں کو خدا یا خدا کا اوتار ماننا شروع کر دیا اور ان کی پرستش کرنا ہندو دھرم کا اہم جزو قرار دے دیا ۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ کو خدا مانا گیا اور ان کی پرستش کی گئی اور آج کل آپ کی والدہ مریم کی تعظیم اس درجہ تک پہنچائی گئی ہے کہ اس کو آسمان پر حضرت عیسیٰ کے ساتھ بٹھا

دیا گیا ہے - پوپ Pius XII نے جو موجودہ پوپ جان کے پیشرو تھے ایک بین الا قوامی مجمع میں اعلان کیا کہ آج سے ہم اس امر کو جزو ایمان قرار دیتے ہیں کہ حضرت مریم بھی اپنے بیٹے کی طرح آسمان پر براجتی ہیں - کون نہیں جانتا کہ یہ اعتقاد ہمارے سامنے کھڑا اگیا ہے ؟ حالانکہ انجیل کی رو سے مریم کو کسی قسم کا تقدس حاصل نہ تھا - مریم اور اس کی اولاد حضرت عیسیٰ کے دعویٰ کو تسلیم نہ کرتے تھے - اس لئے حضرت عیسیٰ کے نزدیک وہ کسی عزت کے لائق نہ تھے - انجیل کی ذیل کی آیات اس حقیقت کو بیان کرتی ہیں :

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت عیسی اپنی وعظ کی دھن میں مصروف ہونے کی وجہ سے اپنی ماں سے جدا ہوگئے - ان کی ماں مامتا کی ماری ان کی تلاش میں نکلی تو ان کو ایک مجمع میں پند ونصیحت کرنے میں مشغول پایا - حاضرین مجلس میں سے کسی نے حضرت عیسیٰ کو مخاطب کرکے عرض کیا کہ آپ کی ماں اور آپ کے بھائی باھر کھڑے آپ کا انتظار کر رہے ہیں - اس پر حضرت عیسیٰ نے کہا کون ہے میری ماں اور کون ہیں میرے بھائی ! یہ لوگ جو مجھے سچا مانتے ہیں - یہی میری ماں ہیں اور بہن بھائی ہیں - انجیل

کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنی ماں کو اور بھائیوں کو اپنے ماننے والوں میں شمار نہ کرتے تھے - ان واقعات اور ان حالات کی رو سے حضرت مریم کے تقدس کی کہانی بے بنیاد ٹھیرتی ہے - (دیکھو متی باب ۱۳ آیات ۴۶ تا ۵۰)- جہاں یہ لکھا ہے کہ مسیح نے اپنے شاگردوں کی طرف اشارہ کرکے کہا دیکھو میری ماں اور میرے بھائی یہ ہیں کیونکہ جو کوئی میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلے وہی میرا بھائی اور میری بہن اور ماں ہے -

انجیل سے جو اقتباس ابھی پیش کیا گیا ہے اس سے عیاں ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے نزدیک ان کی والدہ حضرت مریم کو اپنے فرزند حضرت عیسیٰ کے دعاوی پر ایمان نہ تھا اس لئے بروے انجیل حضرت مریم کے متعلق عیسائیوں کا یہ اعتقاد کہ وہ کسی تقدس کی مالکہ تھیں بے بنیاد ہے - مذکورہ بالا صفحات سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ نے نہ تو کبھی یہ تلقین کی کہ خدا تعالیٰ کی بجائے مجھے خدا تسلیم کیا جائے اور میری عبادت کی جائے اور نہ ہی اپنی والدہ ماجدہ کے حق میں اس قسم کی تعلیم دی کہ وہ الوہیت سے متصف ہیں - ان حقائق اور شواہد کے ہوتے

ہوئے حضرت عیسیٰ کو عبدیت کے مقام سے اٹھا کر الوہیت کے تخت پر بٹھا دینا بالکل نازیبا ھے ۔ کہاں زمین و آسمان کا خالق و موجد اور کائنات کی ربوبیت کرنے والا اور کہاں حضرت عیسیٰ جیسا ناتواں اور کمزور انسان ۔ جو کبھی عدم کے بطن سے نمودار ھوا اور دوبارہ عدم کے بطن میں چلا گیا ، جو بغیر کامیابی حاصل کرنے کے دشمنوں کے ھاتھوں ذلیل و خوار ھوا اور دشمنوں کے ادعا کے مطابق لعنتی موت مرا اور اپنے متبعین کے اعتراف کے موافق بھی وہ لعنتی موت مرا اور تین دن تک جھنم میں رھا ۔ ایسی ناتواں اور ناکام ھستی کو الوھیت کے تخت پر بٹھانا صریح کفر ھے ۔ قرآن کریم حضرت عیسیٰ کی بریت کرتا ھے اور اعلان کرتا ھے کہ حضرت عیسیٰ کو خدا کہنا کفر ھے اور ان کی طرف تثلیث کی تعلیم منسوب کرنا بھی کفر ھے ۔ اسی طرح سے قرآن کریم میں یہ امر بھی واضح کیا گیا ھے کہ حضرت عیسیٰ نے کبھی بھی اس قسم کی تعلیم نہ دی تھی کہ میری والدہ ماجدہ کی عبادت کی جائے ۔

اس موضوع پر ذیل کی آیات قرانیہ روشنی ڈالتی ھیں :

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا ۔ اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اِلٰهٌ وَاحِدٌ . . . . مَاالْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ - وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ - كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ (المائد ٥ آیت ٧٣و٧٥)

یعنی لوگ کفر بکتے ہیں کہ خدا تین میں سے ایک ہے - حالانکہ یہ بات روشن ہے کہ خدائے واحد کے سوا دوسری کوئی ہستی قابل پرستش نہیں ہے - ... حضرت عیسیٰ محض رسول تھے ایسے ہی جیسے وہ رسول جو ان سے پیشتر آئے تھے ان کی والدہ ماجدہ راست باز تھیں - نیز وہ اور ان کا بیٹا دوسرے انسانوں کی طرح کھانے پینے کے محتاج تھے - ان میں کوئی خدا کے اوصاف نہ تھے .

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِى وَاُمِّىَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ - قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِىْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِىْ بِحَقٍّ . . . . مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَا اَمَرْتَنِىْ بِهٖ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبَّكُمْ (المائدہ ٥ آیات ١١٦-١١٧)

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ سے سوال کیا کہ کیا تم نے اس قسم کی تعلیم دی تھی کہ خدا کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو دو معبود ٹھیراؤ ۔ اس پر حضرت عیسیٰ نے عرض کی مجھے کس طرح سے یہ زیبا دیتا ہے کہ میں اس بات کی تعلیم دوں جس کے لئے مجھے کسی قسم کا حق نہ ہو .... میں نے تو وہی تعلیم دی تھی جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ خدا جو میرا اور تمہارا رب ہے اس کی عبادت کرو۔

یہ دونوں آیات واضح ہیں اور کسی قسم کی تشریح کی محتاج نہیں ہیں ۔ اللہ تعالی نے حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ ماجدہ کی بریت کر دی ہے ۔ قرآن کریم اور انجیل شریف دونوں ان معتقدات کو غلط قرار دیتے ہیں جو عیسائی دنیا میں رائج ہو چکے ہیں ۔ اس بین بریت کے بعد ذیل کی آیت میں ایک اصول بیان کیا گیا ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی شان سے بعید ہے کہ وہ خدا کے مرسل ہوتے ہوئے یہ تعلیم دیں کہ خدائے واحد کی بجائے میری عبادت کرو ۔ یا تثلیث کو قبول کرو ۔ یا مجھے خدا کا عبد ہونے کی بجائے اس کا بیٹا متصور کرو ۔ بیٹے کی حاجت مرجانے والے حکمران کو ہوتی ہے یا اس قسم کی حاجت

ایسے باپ کو ہوتی ہے جو خود سلطنت کے امور کو سر انجام نہ دے سکتا ہو۔ خدا تعالی کی ذات اس قسم کی کمزوریوں اور اس قسم کے نقائص سے پاک و مبرا ہے۔ وہ آیت کریمہ جس میں ایک اصول بیان کرکے نہایت مدلل اور مضبوط طریق پر حضرت عیسیٰ کی بریت کی ہے یہ ہے:

لَنْ یَسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَکُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰہِ

یعنی مسیح کو اس میں کوئی عار نہیں ہے کہ وہ خدا کا عبد کہلائے اور اس کی عبادت کرے۔

وَلَا الْمَلٰٓئِکَۃُ الْمُقَرَّبُوْنَ

اور نہ ہی خدا کے مقرب فرشتے کسی قسم کی سرتابی کر سکتے ہیں۔ (انساء ۴ آیۃ ۱۷۱) مزید فرمایا

اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَۃٌ اِنْتَھُوْا خَیْرًا لَّکُمْ۔ اِنَّمَا اللّٰہُ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ سُبْحَانَہٗ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ وَلَدٌ۔ وَلَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا

یعنی مسیح ابن مریم عورت زاد ہیں اور اس بارے میں انجیل میں یہ عبارت درج ہے کہ عورت زاد ہو کر کیونکر پاک ٹھیرا - حضرت عیسیٰ خدا نہیں بلکہ خدا کے رسول ہیں - سن رکھو پرستش اور عبادت کی مستحق صرف ایک ہی ذات جو خدائے واحد ہے اس کو چھوڑ کر تین خدا نہ بناؤ - اس عقیدہ کو ترک کر دو - اس میں تمہاری بھلائی ہے اور خدا کے لئے بیٹا بھی تجویز نہ کرو - خدا تعالیٰ اس قسم کی کمزوریوں اور عیوب سے پاک ہے - وہ بیٹے کا محتاج نہیں ہے - وہ قادر مطلق ہے - زمین آسمان و کی حکومت چلانے کے لئے اس کو کسی بیٹے یا دوسرے مددگار کی حاجت نہیں ہے (انساء - آیت ۷) اصولی طور پرحضرت عیسیٰ کی بریت کرنے کے بعد ذیل کی آیۃ شریفہ میں ایک عام اصول بیان کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ تمام وہ بزرگ ہستیاں جو جناب الہیٰ کی درگاہ سے مخلوق کی رہبری کے لئے وقتاً فوقتاً مبعوث کی جاتی رہیں اور جن کے اخلاق فاضلہ سے اور جن کی کرامات سے متاثر ہو کر لوگ ان کو خدا یا خدا کا اوتار یا خدا کا بیٹا متصور کرنے لگے اور خدا کو چھوڑ کر خود ان کی پرستش کرنے کی طرف مائل ہو گئے

وہ ہستیاں اس بارہ میں بری الذمہ ہیں ۔ انہوں نے ہمیشہ خدائے واحد کی پرستش اور عبادت کرنے کی تلقین کی اور انہوں نے کبھی ایسی تعلیم نہیں دی جس کی بنا پر خود ان کو معبود ٹھیرا لیا جاتا ۔ ان بزرگ شخصیتوں کو یہ عرفان حاصل تھا کہ وہ کمزور و ناتوان و عاجز بندے ہیں ۔ اسی لئے وہ خود بھی خدائے واحد کی عبادت اور فرمانبرداری کیا کرتے تھے اور لوگوں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے ۔ وہ آیت کریمہ یہ ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران ۳ آیت ۷۳)

یعنی کسی بشر کے لئے یہ شایان شان نہیں کہ خدا تعالیٰ تو اس کو شریعت کے احکام دے کر مخلوق کی راہبری کے لئے مقرر کرے اور اس کو روحانی حکومت عطا کرے اور اس کو اپنی ہمکلامی کا شرف عطا کرے اور وہ ان امور کے ہوتے ہوئے لوگوں کو یہ تلقین کرے کہ خدا کو ترک کر کے خود میری عبادت میں مستغرق ہو جائیں ۔

خدا کے بزرگ اور مقدس فرستادہ کبھی ایسی تعلیم دے سکتے ھی نہیں - اس لئے وہ لوگ جو اپنے بزرگ پیغمبروں کی پرستش کرتے ھیں وہ غلطی پر ھیں اور اپنے راھبروں کی بے حرمتی کا باعث ھیں - نہ رامچندر جی مہاراج اور نہ کرشن جی مہاراج نے ایسی تعلیم دی نہ ھی گوتم بدھ نے اس قسم کی تعلیم دی، نہ ھی زرتشت نے اور نہ ھی حضرت عیسیٰ نے -

اسی طرح عیسائیوں کا یہ اعتقاد کہ حضرت عیسیٰ خدا یا خدا کے فرزند ھیں اور اس بناء پر عبادت کے مستحق ھیں از روئے انجیل بے بنیاد ھے - انجیل سے یہ ثابت ھوتا ھے کہ حضرت عیسیٰ خدا کی توحید کے قائل تھے اور خدائے واحد کی عبادت کرتے اور اسی سے مشکلات کے اندر دعائیں مانگتے تھے- اس پر ذیل کی عبارتیں روشنی ڈالتی ھیں- متی باب ۲۲ آیت ۳۶ تا ۴۰ : ”ان میں سے ایک عالم شرع نے آزمانے کے لئے اس سے پوچھا اے استاد توریت میں کون سا حکم بڑا ھے - اس نے اس سے کہا :

(۱) کہ خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھے سب سے بڑا اور

پہلا حکم یہی ہے اور دوسرا اس کی مانند یہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھے۔ انھی دو حکموں پر تمام توریت اور ابنیاء کے صحیفوں کا مدار ہے۔''

(۲) مرقس باب ۱۲ آیت ۲۸ تا ۳۱ اور فقیہوں میں سے ایک نے ان کو بحث کرتے سن کر جان لیا کہ اس نے ان کو خوب جواب دیا ہے - وہ پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ سب حکموں میں اول کون سا ہے - یسوع نے جواب دیا کہ اول یہ ہے - اے اسرائیل سن خداوند ہمارا خدا ایک ھی خداوند ہے اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ - دوسرا یہ ہے کہ تو اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ اس سے بڑا کوئی حکم نہیں ہے -

(۳) یوحناباب ۱۷ - آیت ۳ اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور خدائے برحق کو جان لے اور مسیح کو تیرا بھیجا ھوا یعنی رسول جان لے -

(۴) متی باب ۴ آیت ۸—۱۰ ابلیس بہت اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی سب سلطنتیں اور ان کی شان و شوکت اسے دکھائی اور اسے کہا کہ اگر تو جھک کر مجھے سجدہ

کرے تو یہ سب کچھ تجھے دے دوں گا - یسوع نے اس سے کہا اے شیطان دور رہو - کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر - یہ آیات واضح ہیں اور کسی تشریح کی محتاج نہیں ہیں - تعجب ہے انجیل کے ان واضح اور صریح بیانات کے ہوتے ہوئے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو جو توحید کی تلقین کرتے تھے خدا بنا لیا -

خدا تعالیٰ نے ان شواہد و حقائق کے پیش نظر فرمایا ان کے علماء نے باطل اعتقاد گھڑ لئے ہیں حالانکہ خدا کی کتاب اس قسم کے عقاید کو صحیح قرار نہیں دیتی -

اختلفوا من بعد ما جاءتھم البینت

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ اِلَّا نُوحِیْ اِلَیْهِ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (آلانبیاء ۲۱ آیت ۲۵)

یہ آیت کریمہ اطلاع دیتی ہے کہ پنڈت پروہت اور پادری اور پوجاری خدا کے کلام میں تحریف کرتے رہے ہیں جیسا کہ فرمایا :

یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ

یعنی کلمات کو ان کی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں - خود حضرت عیسیٰ نے بھی مذہبی پیشواؤں کی اس بے جا اور مضر حرکت کا ذکر کیا ہے " اس وقت فریسیوں اور فقیہوں نے یروشلم سے یسوع کے پاس آکر کہا کہ تیرے شاگرد بزرگوں کی روایت کیوں ٹال دیتے ہیں کہ کھانا کھاتے وقت ہاتھ نہیں دھوتے۔ اس نے جواب میں فقیہوں سے کہا تم اپنی روایت سے خدا کا حکم کیوں ٹال دیتے ہو (دیکھو متی باب ۱۵ آیت ۲-۳) قرآن کریم نے بھی حضرت عیسیٰ کے عقاید کا ذکر کیا ہے کہ وہ موحد تھے اور خدا تعالیٰ وحدہ لاشریک کی پرتش کا حکم دیتے تھے، جیسا کہ ذیل کی آیت کریمہ ظاہر کرتی ہے :

فَاتَّقُوا اللهَ وَاَطِیعُونْ ۔ اِنَّ اللهَ رَبِّی وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوہُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیمٌ ۔

(آل عمران ۳ آیت ۴۴)

اور ذیل کی آیت کریمہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ حضرت عیسیٰ توحید کی تلقین کیا کرتے تھے -

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلاَّ مَا اَمَرْتَنِی بِهِ اَنِ اعْبُدُوا اللهَ رَبِّی وَرَبُّکُمْ (المائدہ ۵ آیات ۱۱۷

غرض جو اعتقادات عیسائیوں نے اختیار کر رکھے ھیں وہ حضرت عیسیٰ کی واضح تلقین کے صریح خلاف ھیں اور اس حیقیت کی نقاب کشائی قرآن کریم نے کی ھے۔

اوپر اس امر کا ذکر کیا گیا ھے کہ جہاں رسول کریم صلعم نے عالمگیر معتقدات کا اعلان فرمایا، جہاں تمام قوموں کے راھنماؤں کی تعظیم وتکریم کرنا اپنے دین کا جزو قرار دیا وھاں ان شبہات کا دور کرنا بھی ضروری سمجھا جو لوگوں کے دلوں میں مضبوطی سے جڑ پکڑے ھوئے تھے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ھے کہ اگر خدا ایک ھے تو مذاھب کیوں مختلف ھیں۔ حضور نبی کریم صلعم نے دلائل بینہ سے ثابت کیا کہ سب راھنما ایک ھی چشمہ سے سیراب ھوئے اور سب کی تعلیم ایک ھی تھی جیسا کہ فرمایا :

وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحی الیه انه لا اله الا انا فاعبدون (الانبیاء ۲۱ آیت ۲۵)

اور ثابت کیا کہ یہی تعلیم تورات میں ھے اور یہی تعلیم انجیل میں ھے۔ غرض تمام پیغمبروں نے ایک ھی تعلیم دی ھے۔ لیکن مذھبی رھنماوں نے ان کی تعلیمات کو بگاڑا۔ چنانچہ فرمایا :

اِن کثیراً مِن الأَ ھبار و الرھبان لیا کلون
اموال الناس بالباطل و یصدون عن سبیل اللہ
(التوبة ۹ آیت ۳۴)

یعني اکثر علماء حرام خوری کرتے ھیں اور ان کی بے جا حرص اور ان کی ریاست کی محبت ان کو مجبور کرتی ھے کہ وہ لوگوں کو غلط راستے پر لگائیں -

ورنہ خدا تعالیٰ ایک ھے اور اس نے ھر ایک نبی اور ھر ایک ھادی کو ایک ھی تعلیم کی تلقین کرنے کا حکم دیا تھا کہ خدا تعالی واحد ھے اور صرف اسی کی عبادت کرنا چاھیے اور اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرنا چاھیے- شبہات میں سے یہ ایک شبہ تھا جس کا جواب کسی قدر تفصیل کے ساتھ دینا مناسب تھا - اب دوسرے شبہات اور تعصبات کا ذکر کیا جاتا ھے -

مذھبی تعصب

یہ تعصب نہایت خطرناک ھے- اس نے ایک قوم کو دوسری قوم کا دشمن بنا رکھا ھے - لوگوں نے مذھب کے نام پر بڑے بڑے مظالم ڈھاے ھیں - اس کی وجہ سے بہت سی

جانیں تلف ہوئیں اور کثرت سے اموال برباد ہوئے ۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوا کہ مذہبی تعصب انسان کو تنگ ظرف بنا دیتا ہے ۔ مذہبی تعصب ایک دوسرے کو قابل نفرت اور قابل مذمت قرار دیتا ہے ۔ مذہبی تعصب دلوں میں کینہ اور دشمنی کا بیج بوتا ہے اور طرح طرح کے فسادات پیدا کرتا ہے ۔ مگر حضور نبی کریم نے اس بارے میں فرمایا کہ مذہب اس لئے آیا کہ انسان کو خدا پرست اور خدا ترس بنائے اور مذہب کی اہم غرض یہ بھی ہے کہ وہ انسان کے دل میں ابنائے جنس کے لئے محبت پیدا کرے اور ان کی بھلائی اور بہبود کے لئے اپنا مال صرف کرے ۔ اسی اہم غرض کے پیش نظر حضور نے یہ تعلیم دی کہ خدا رب العالمین ہے، وہ سب قوموں کا خالق اور سب کا مربی و محسن ہے اور فرمایا کہ ساری کی ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے ۔ اس لئے خدا کا پیارا وہ ہوگا جو خدا کے عیال کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرے گا ۔ ان جامع نظریات کے پیش کرنے کے ساتھ ساتھ مذہبی تعصبات کا ذکر بھی کیا تا کہ ان کا ضرر رساں پہلو سامنے آ جائے اور لوگ اس کو ترک کرنے پر آمادہ ہو جائیں ۔ ذیل میں چند مذہبی تعصبات کا ذکر کیا جاتا ہے ۔

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی (البقرہ ۲ آیت ۱۰۵)

یہود کا اعتقاد ہے کہ ہمارے سوائے دوسری قوم کے افراد جنت میں نہ جانے پائیں گے کیونکہ ہم ہی خدا کی محبوب ترین قوم ہیں اور نجات صرف بنی اسرائیل کے لئے ہے اور اسی طرح عیسائیوں کا یہ پختہ ایمان ہے کہ دنیا کا کوئی مذہب انسان کو نجات نہیں دلا سکتا جب تک کہ وہ حضرت عیسیٰ کے مصلوب ہو کر مرنے پر ایمان نہ لائے اور دنیا کا بے عیب سے بے عیب اور نیک سے نیک زندگی بسر کرنے والا انسان بھی حضرت مسیح کے کفارہ پر ایمان لائے بغیر نہ ہی خدا کا قرب حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی جنت میں داخل ہو سکتا ہے۔ دنیا بھر کے خیرات کرنے والے دنیا بھر کے مخلوق خدا کے ساتھ خیر خواہی کرنے والے انسان کا گذر بھی جنت کی طرف نہیں ہو سکتا جب تک وہ حضرت مسیح کی صلیبی موت پر ایمان نہ لائے۔ یہ امر واقع ہے کہ بڑے سے بڑے پادری اپنے گرجوں میں علانیہ اسی بات کو بیان کرتے ہیں کہ نجات کا موجب صرف اور صرف حضرت عیسیٰ کے مصلوب ہونے پر ایمان لانا ہے اور دوسرا کوئی رستہ جنت کو نہیں

لے جا سکتا اور ان کا یقین ہے کہ صرف وہی خدا کے محبوب ہیں اور وہی خدا کے بیٹے ہیں اور یہ درجہ کسی دوسری قوم کو حاصل نہیں ہو سکتا - چنانچہ ان کے اس اعتقاد کا ذکر قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے :

وَقَالُوا نَحْنُ اَبْنَاۤؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّاۤءُ ○

ہم خدا کے بیٹے ہیں اور اس کے پیارے ہیں - خدا کے یہ پیارے غیر قوموں کو اپنے برابر نہیں سمجھتے بلکہ دوسروں کو اپنے عبید یعنی غلام یقین کرتےہیں اور ان کو غلام ٹھہرا کر ان کی کمائی ہوئی دولت سنبھال لیتے ہیں - ہندوؤں کا عقیدہ بھی ایسا ہی ہے - وہ یقین کرتے ہیں کہ ہم برہما کی پیاری قوم ہیں اور جس دھرتی میں ہم بود و باش رکھتے ہیں یہ دھرتی بھی برہما کی پیاری زمین ہے - اس سر زمین سے باہر جو قوم بھی ہے وہ ملیچھ ہے اور ملیچھ اس قدر ناپاک ہے کہ ہم اس کو چھونا بھی پاپ یقین کرتے ہیں - ان کا یہ عقیدہ ان کے لئےاور دوسروں کے لئے نہایت ہی نقصان دہ ہے - یہ عقیدہ انسان کے دل میں نفرت اور دشمنی پیدا کرتا ہے یہ عقیدہ بالبداہت باطل ہے - کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ان کے سامنے دوسری قوموں میں بڑے بڑے حق پرست اور

مخلوق کی بے لوث خدمت کرنے والے انسان موجود ہیں ؟ وہ اس مشاہدے کو کیوں غلط قرار دیتے ہیں ؟ مشاہدات کا انکار کر دینا انسان کو حق پرستی سے دور رکھتا ہے اور اس کو تنگ نظر اور تنگ ظرف بنا دیتا ہے ۔ ہندو معتقدات کی تنگ نظری اور تنگ ظرفی کا ظالمانہ اثر خود ہندوستان کے چھ سات کروڑ اچھوتوں پر دیکھنے میں آتا ہے ۔ جس طرح امریکہ کا سفید باشندہ ایک سیاہ فام حبشی کو جو سفید فام باشندے کا مذہب بھی اختیار کر چکا ہے اس قابل نہیں سمجھتا کہ وہ اس کے ریسٹورنٹ میں کھانا کھائے یا اس کے سکول میں تعلیم حاصل کرے یا اس کے گرجے میں جا کر خدا کا کلام سنے' اسی طرح ہندو ان اچھوتوں کو اپنے مندر میں نہیں آنے دیتا ' اپنے کوئیں سے پانی لینے نہیں دیتا اپنے گھر میں آنے نہیں دیتا ' اپنے راستے پر چلنے نہیں دیتا ۔ اور اگر وہ کوئی جرم کر لے تو ہندو کے مذہبی قواعد کی رو سے وہ دگنی سزا کا مستوجب ٹھیرتا ہے ۔ یہ حقائق ثابت کرتے ہیں کہ مذہب بعض صورتوں میں نہایت تکلیف دہ اور نقصان رساں ثابت ہوتا ہے ۔ قرآن کریم اس کا بھی ذکر کرتا ہے :

وَلَا تُؤْمِنُوا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ

(آل عمران ۳ آیت ٦٦).

یعنی اپنے هم مذهب کے سوا دوسرے کی بات پر کان نه دهرنا اور نه هی اسے درست سمجهنا - یه خیالات غایت درجه کے تعصب پر دلالت کرتے هیں اور اسی تعصب کا ذکر اس آیت میں بهی کیا گیا هے :

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰه

(البقره ۲ آیت ١٦٥)

جب ان سے کہا جاتا هے که خدا کے کلام کی پیروی کرو تو وه کہتے هیں :

بَلْ نَتَّبِعُ مَا اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَاءَنَا ۔

یعنی هم تو اپنے آباو اجداد کی روایات کی پیروی کریں گے - اس قسم کے معتقدات مایوس کن اور نقصان ده ذهنیت پیدا کرتے هیں ۔ ان کی اصلاح حضور نبی کریم نے کرکے دکھائی حضور کی تعلیمات نے دلوں کو منور کیا' ان میں وسعت پیدا کی اور ایسا کرنے سے نہایت اهم کام سر انجام دیا ۔ اگر حضو نبی کریم کو ان تعصبات کا علم نه هوتا ۔ تو ان امور

کی اصلاح کی طرف توجہ نہ دے سکتے - اللہ تعالیٰ نے انہیں ان تمام معتقدات سے آگاہ فرمایا جو لوگوں کے لیے صحیح راستہ سے بھٹک جانے کا موجب تھے - ایسے معتقدات کی اصلاح متقاضی تھی کہ لوگوں کی ذہنیت میں انقلاب پیدا کیا جائے اور ذہنیت میں انقلاب اس وقت پیدا ہوتا ہے جب لوگوں کے عقل کے چراغ روشن کر دیے جائیں - عقل ایک نور ہے جو تاریکی کو دور کر دیتا ہے - اس نور میں دلائل ساطعہ اور براہین نیرہ سے اضافہ ہوتا ہے - اس کے بغیر مذہب کا متوالا انسان تاریکیوں میں بھٹکتا رہتا ہے عقل کے چراغ کو روشن رکھنے کے لیے حضور علیہ الصلوہ والسلام نے فرمایا :

اِنَّ اَوَّلَ شَیْءٍ خَلَقَہُ اللہُ الْعَقْلَ -

یعنی جس کو تخلیق میں سب سے اونچا اور سب سے اول ہونے کا شرف حاصل ہے وہ عقل ہے اور فرمایا :

دِیْنُ الْمَرْءِ مَعَ الْعَقْلِ

اور فرمایا :

لَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَقْلَ لَہٗ

یعنی انسان کے دین کا انحصار عقل پر ہے اور جس کو عقل

میسر نہیں اس کا دین بھی کوئی نہیں - چنانچہ حضور نے دلائل کی روشنی سے باطن کی تاریکیاں دور کرنے کی طرف توجہ دی اور اس طرح قلوب کو صیقل کرکے ان کو مذہب کی حیقت سمجھنے کے قابل بنا دیا جس کی وجہ سے وہ اس لائق ہوئے کہ حق و باطل میں تمیز کر سکیں اور مغز اور چھلکے میں امتیاز کر سکیں -

مذہبی تعصبات کا قلع قمع

یہ اصول بیان کر دینے کے بعد کہ ہر رسول کو ایک ہی دین عطا کیا گیا تھا - مختلف قوموں کے بڑے بڑے رسولوں کے نام لے کر واضح کیا کہ ان میں سے ہر ایک کی تعلیم ایک ہی تھی چنانچہ فرمایا :

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ○ ذُرِّیَّةً بَعْضُھَا مِنْ بَعْضٍ وَ اللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (آل عمران ۳ آیت ۳۰)

یعنی نسل انسانی کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً رسول بھیجتا رہا ہے کیونکہ اپنی رضا کی راہوں کی نشاندہی

خدا ھی کر سکتا ہے - فرمایا :

وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ

یعنی خدا تعالیٰ نے یہ بات اپنے ذمہ لے رکھی ہے کہ وہ صحیح راستہ کی رھنمائی کرے اور فرماتا ہے :

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى

یقیناً یقیناً یہ ھمارا کام ہے کہ مخلوق کی ھدایت کی خاطر اپنے رسولوں پر اپنی کتابیں نازل کریں - یہ سنت اللہ ہے - اس سنت اللہ کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی ھدایت سے نوازا اور اسی طرح کا سلوک نوح علیہ السلام سے کیا - یہی معاملہ حضرت ابراھیم سے کیا اور یہی نوازش آل عمران یعنی سلسلہ موسویہ کے مورث اعلیٰ سے کی - ان تمام گھرانوں کو اپنے اپنے زمانہ میں ممتاز حیثیت عطا کی تاکہ وہ عامة الناس کے دلوں میں گھر کر سکیں اور لوگ ان کی فرماں برداری اختیار کرکے رضا الٰہی حاصل کر سکیں - فرمایا :

ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ

یعنی یہ سب نسلیں ایک دوسرے کی ذریت ھیں، اس لئے یہ ایک

ھی نسل سے ھیں جس میں بعض بعض سے پیدا ھوئے۔ اس سے یہ اصل الاصول عیاں ھوتا ھے کہ اللہ تعالی تمام کی تمام قوموں کے ساتھ ایک طرح کی محبت اور رحمت کا برتاؤ کرتا رہا ھے۔ اس لیے مناسب نہیں کہ ایک قوم بے جا طور پر دوسری قوم پر فخر کرے اور اپنے تئیں دوسروں سے افضل و اعلیٰ تصور کرے اور نہ ھی یہ جائز ھے کہ کوئی ایک قوم دوسری قوم کو حقیر و ذلیل سمجھے۔ چنانچہ اسکو معاف کیا جائے:

لا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسٰی اَنْ یَکُوْنُوْا خَیْراً مِنْھُم (الحجرات آیت ۱۱)

یعنی کوئی قوم اس خیال میں مبتلا نہ ھو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایات کے لئے صرف ھم کو ھی مختص کر رکھا ھے اور دوسری تمام قومیں ھمارے مقابلے میں کمتر ھیں۔ اس قسم کا خیال باطل ھے۔ خدا رب العالمین ھے - وہ کسی خاص قوم کا خدا نہیں ھے اور نہ ھی اس نے کسی قوم کو اپنے افضال و برکات سے محروم کر رکھا ھے - وہ رحیم و کریم ھونے کے علاوہ عدل و انصاف کا مالک ھے اور کسی طرح کا ظلم یا بے جا رعایت کرنے کا روا دار نہیں ھے:

و لیس اللہ بظلام للعبید

اس آیت کریمہ ان اللہ اصطفیٰ میں اصطفیٰ کا لفظ استعمال کرکے اللہ تعالیٰ نے تمام قوموں کے رہنماؤں کے متعلق واضح کر دیا ہے کہ وہ تمام قسم کی نفسانی اغراض اور تمام قسم کی دوسری آلودگیوں سے پاک و صاف تھے - قوموں کے ہادیوں کی تعظیم و تکریم برقرار کرنے سے باھمی اتحاد و ارتباط کا پیدا ہونا یقینی امر ہو جاتا ہے -

اصطفیٰ کا لفظ استعمال کرنا ایک اور اہم مقصد کے پیش نظر بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ سب قصے بے بنیاد اور غلط ہیں جو پیغمبروں کی نسبت بعض مقدس کتابوں میں راہ پا گئے ہیں، جن میں پیغمبروں کی طرف گرے ہوئے اخلاق منسوب کئے گئے ہیں - مثلاً یہ کہ حضرت اسماعیل ایک وحشی انسان تھے - مثلاً یہ کہ حضرت موسیٰ پر ان کی بہن نے ان کی کوشی بی بی کے متعلق الزام لگایا تھا - مثلاً یہ کہ سلیمان جب بوڑھے ہوگئے تو ان کی بیبیوں نے ان کو بت پرستی کی طرف مائل کر دیا تھا اور اسی طرح تورات میں ایک پیغمبر کی طرف ایک نہایت ہی فحش بات منسوب کی ہے -

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں علیحدہ علیحدہ نام لے کر ان پیغمبروں کی بریت کی ہے اور یہاں اصطفی کا جامع لفظ استعمال کرکے ان کو تمام عیوب سے پاک قرار دیا ہے اور یہ بڑی اہم خدمت ہے انسانیت کی جس کو حضور علیہ السلام نے سر انجام دیا - رسولوں کے نہایت عظیم الشان طبقہ پر سے داغ دھبے دھو کر ان کی قوموں کے دلوں سے وساوس دور کر دیے - اسی مضمون کی ایک اور آیت ملاحظ ہو :

اَلَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ مِنْ ذُرِّیَّةِ اٰدَمَ وَ مِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّ مِنْ ذُرِّیَّةِ اِبْرٰھِیْمَ وَ اِسْرَآئِیْلَ وَ مِمَّنْ ھَدَیْنَا وَ اجْتَبَیْنَا

(مریم ۹ ، آیۃ ۵۹)

اس آیت شریفہ میں اس قیمتی اصول کو دھرایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمام کی تمام اقوام عالم کے ساتھ یکساں محبت و کرم کا سلوک کیا ہے - تمام انبیاء آدم کی ذریت سے ہیں - اس کے بعد قوموں کے خصوصی رہنماوں کی ذریت کا بھی ذکر کیا ہے ، مثلاً ذریت ابراھیم اور ذریت اسرائیل کا - اس وقت ابراھیم اور اسرائیل کی ذریت دنیا کے بڑے حصوں پر چھائی

ھوئی ھے - ان سب کو پیغام محبت دینے کی غرض سے اور ان کو سلسلۂ اخوت میں منسلک کرنے کی خاطر فرمایا : ھم نے ساری قوموں کے رھناوں کو اپنی نعمتوں سے مالا مال کیا تھا اور کسی ایک قوم کو بھی اس سے محروم نہیں رکھا - اس لیے لازم ھے کہ ایک دوسرے پر بے جا طور پر فخر نہ کریں اور نہ ھی ایک دوسرے کو حقیر و ذلیل خیال کریں بلکہ تمام کی تمام اقوام عالم متحد ھو کر زندگی بسر کریں - مذکورہ بالا آیات بینات کے موضوع پر ذیل کی آیت کریمہ نہایت مفید اضافہ کرتی ھے :

شَرَعَ لَکُم مِنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوحاً وَالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖ اِبْرَاھِیْمَ وَمُوسٰی وَعِیْسٰی اَنْ اَقِیْمُوْا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا

(الشوری ۴۲ آیت ۱۱)

یہاں صرف اتنا ھی ذکر نہیں ھے کہ ھم نے ھر ایک قوم کے پیغمبر پر اپنی رحمتوں کی بارش کی اور ان کو اپنی ھمکلامی کا شرف بخشا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ جو دین ھم نے نوح کو بذریعہ وحی تلقین کیا تھا وھی دین محمد رسول اللہ

کو بذریعہ وحی سکھایا ہے اور ہم نے وہی دین ابراہیم کو وصیت کیا تھا اور اسی دین کی تعلیم حضرت عیسیٰ و حضرت موسیٰ کو دی تھی - غرض سارے انبیاء و رسل کا دین ایک ہی ہے - مزید بر آں سب کو تاکیداً کہا تھا - کہ تفرقہ کرنے سے بچنا - اس لئے یہ تفرقہ جس کا تم مشاہدہ کرتے ہو اس کے ذمہ دار وہ پیغمبر نہیں ہیں - ہاں ان کے متبعین نے تفرقہ پیدا کیا - افسوس کی بات یہ ہے کہ انہوں نے علم و بصیرت کے حاصل ہو جانے کے بعد ایسا کیا ؟ جیسا کہ فرمایا

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ

انہوں نے ایسا کیوں کیا ؟

بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ

اپنی سرداری کو قائم کرنے کی غرض سے وہ حق کے مقابلہ پر بغاوت کرتے ہیں - اور اس ضمن میں فرمایا :

اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

یعنی مذہبی راہبر لوگوں کے اموال بھی کھاتے ہیں اور ان

کو صحیح راستے سے بھی دور رکھتے ھیں اور انھیں متعصب بنا دیتے ھیں جس کا نتیجہ یہ ھوتا ھے کہ ان کے متبعین دوسرے لوگوں سے نفرت کرتے اور ان سے بر سر پیکار رھنا اپنا فریضہ یقین کرتے ھیں - دنیا میں دو قومیں ایسی ھیں جن کے درمیان دو ھزار سال سے مخالفت و منافرت کار فرما ھے - وہ ھیں یہودی اور نصرانی ان کی مخاصمت مذھبی معتقدات کی بناء پر ھے - یہودیوں نے حضرت مریم پر نہایت خطرناک اور ناپاک الزام لگایا اور اس کے نتیجہ میں حضرت عیسیٰ کو ناپاک روح قرار دیا - ان کی نبوت کی تکذیب کی اور حضرت عیسیٰ کو خدا کی درگاہ سے راندہ شدہ اور ملعون ثابت کرنے کے غرض سے ان کو صلیب پر کھینچا - ان قبیح افعال نے عیسائیوں کے دلوں میں یہودیوں کے خلاف نفرت و دشمنی بھر دی جس کے نتیجہ میں دونوں کو جانی و مالی نقصان برداشت کرنا پڑتا رھا ھے - قرآن کریم نے ان دونوں قوموں کی باھمی دشمنی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ھے :

وَ قَالَتِ الْیَھُودُ لَیْسَتِ النَّصَارٰی عَلٰی شَیْءٍ

(البقرہ ۲ آیت ۱۷)

یہود کا اعتقاد ھے کہ عیسائیوں کا کوئی دین نہیں یعنی وہ

سراسر باطل پرست ھیں اور اس کے مقابل عیسائی بھی یہودیوں پر نفرین بھیجتے ھیں ۔

وَ قَالَتِ النَّصَارَیٰ لَیْسَتِ الْیَهُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ

یعنی یہودیوں کا کوئی دین نہیں ۔ اس قسم کے منافرت انگیز معتقدات کے بارے میں اللہ تعالیٰ ان دونوں کو نہایت مہذب الفاظ میں ملامت کرتا ھے اور کہتا ھے :

وَهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتَابَ

یہ دونوں قومیں جو ایک دوسرے کے مذھب کو باطل قرار دیتی ھیں حالانکہ دونوں ھی آسمانی کتاب کو مانتی ھیں ۔ اور دونوں ھی آسمانی کتاب بائبل کو زیر مطالعہ بھی رکھتی ھیں ۔ اندریں حالات ان کو نہ چاھیے تھا کہ اھل کتاب ھوکر ایک دوسرے کو کافر و بے دین قرار دینے کی جرأت کرتے ۔

وَهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتَابَ

کے الفاظ مسلمانوں کو بھی ملامت کرتے ھیں ۔ ایک جماعت دوسری مسلمان جماعت کو کافر کہتی ھے و ھم یتلون الکتاب حالانکہ وہ ایک ھی کتاب کے پیرو ھیں ۔ حقیقت

یہ لوگ خدا تعالیٰ کے کلام کو بھول گئے اور انہوں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ارشاد کو بھی فراموش کر دیا - حضور کا ارشاد ہے :

لا تُکَفِّرُوا اَهْلَ قِبْلَتِکُمْ

یعنی اپنے اہل قبلہ کو کافر مت کہو اور حضور کا ارشاد ہے :

مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا وَ اسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَ اَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا فَذَالِكَ الْمُسْلِمُ

یعنی جس شخص کو تم نماز پڑھتے دیکھو اور اس کو قبلہ رخ پاؤ دیکھو اور جس کو تم ذبیحہ کھاتے ہوئے دیکھو وہ کافر نہیں مسلمان ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس باب میں نہایت ہی مختصر اور نہایت ہی واضح علامت یوں بیان فرمائی ہے :

لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا

(انسا م آیت ۹۶)

چونکہ حضور نبی کریم کے دل میں تمام اقوام عالم کو

متحد کرنے کی تڑپ تھی اس لیے ان کی اپنی قوم کو غیر اقوام کے سامنے اپنی قیمتی اور حقیقی اخوت کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور ہر اس فعل سے بچنا چاہیے جو اسلامی اخوت میں خلل انداز ہو سکتا ہو۔ اسلامی اخوت دنیا بھر کے لیے رشک کا موجب ہے - اسلامی اتحاد مسلمانوں کی قوت اور عزت کا باعث ہے - اجتماعی زندگی سے بڑے پیمانہ پر قومی مفاد اور قومی مقاصد کے حصول میں کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے - اجتماعی طاقت کی برکت سے بدیاں اور بدعنوانیاں ختم کی جا سکتی ہیں۔ چاہیے کہ مسلمان اس عظیم مقصد کو سامنے رکھیں جو حضور علیہ السلام کے پیش نظر تھا اور اپنے قول و فعل سے اتحاد و ارتباط کے رشتہ کو مضبوط بنانے کی طرف توجہ دیں اور

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

(آل عمران آیت ۹۸)

کا قیمتی حکم کبھی فراموش نہ کریں -

نسلی تعصب

اسرائیلی کو اور ہندو کو اپنی اپنی نسل پر بہت فخر

ہے اور اس فخر کے ساتھ نہایت سخت قسم کا تعصب بھی ملا ہوا ہے۔ اس قسم کے فخر اور تعصب نے قوموں میں منافرت و مخاصمت پیدا کر رکھی ہے۔ یہ لوگ جن کے اپنے دلوں کی تنگ ظرفی کی یہ حالت ہو وہ کس طرح دنیا کی قوموں میں اتحاد پیدا کرسکتے ہیں اسرائیلی یا ہندو اقوام عالم کر عالمگیر اتحاد و اخوت کا سبق نہیں دے سکتا۔ ہندو تو خود اپنے وطن میں رہنے والوں سے بھی نفرت کرتا ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ ان کے ہاں چھ سات کروڑ باشندے ایسے ہیں جن کو انھوں نے اچھوت جیسا ذلیل نام دے رکھا ہے۔ ہندو اپنے اس رویہ پر اس قدر مصر ہے کہ مہاتما گاندھی جیسی بزرگ ہستی اچھوت کو انسانیت کے حقوق نہ دلا سکی۔ اس بات کا ذکر افسوس سے کیا جاتا ہے کہ ہندو قوم ایسے پڑھے لکھے مہذب انسان کو بھی اپنا نہ سکی جیسے کہ بیرسٹر امبدکار تھا۔ اس نے سالہا سال سعی کی کہ اس کا شمار ہندو قوم میں ہوسکے لیکن وہ نامراد رہا اور سخت مایوسی کی حالت میں بدھ مت اختیار کرکے ہندو دنیا سے چل بسا۔ ہندوں میں چار ذاتیں ہیں، پنڈت، راجپوت : کھتری اور اچھوت۔ پنڈت نہایت ممتاز اور نہایت طاقتور

حیثیت کا مالک ھے - دین کا کاروبار اس کے بغیر چل ھی نہیں سکتا - ھندووں میں راجپوت بھی نہایت اونچی ذات ھے - وہ یقین کرتے ھیں کہ ھم راج کرنے کے لیے پیدا ھوئے ھیں - اس لیے وہ کسی دوسرے کو خاطر میں نہیں لاتے - مذکورہ بالا بیان سے یہ بات عیاں ھو جاتی ھے کہ نسلی فخر انتہا درجہ کے کبر و نخوت کو پیدا کرتا ھے اور دوسروں کی تذلیل و تحقیر کا باعث بنتا ھے -

نسلی تعصب کا بیسویں صدی میں دور دورہ ھے - اھل مغرب کو یقین ھے کہ وہ مشرقی اقوام پر حکومت کرنے کے لئے پیدا ھوئے ھیں اور ان کو یہ بھی یقین ھے کہ مشرقی اقوام کبھی کسی صورت میں مغربی اقوام کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتیں - آج لنڈن میں مشرق کے سیاہ فام باشندوں کو حقارت سے دیکھا جا رہا ھے - بالکل اسی طرح جس طرح ایک پنڈت کے نزدیک ایک اچھوت قابل نفرت و حقارت ھے - انگریز قوم نے جنوبی افریقہ کے سیاہ فام باشندوں کو سالہا سال سے ان کے بنیادی حقوق سے محروم کر رکھا ھے اور آج بھی انگریز ان کو ان مراعات سے محروم کر رہا ھے - جو سفید فام انگریز کو حاصل ھیں امریکہ کی حالت

اس معاملہ میں کسی دوسری مغربی قوم سے بہتر نہیں ہے ۔ کہنے کو تو وہ اپنے ملک کو God's Land کہتا ہے لیکن اس خدا کی دھرتی میں حبشی کی حالت ایسی ذلیل ہے کہ وہ خدا کی مخلوق ھی نہیں سمجھا جاتا ۔ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ امریکہ کا حبشی عیسائی ہے اور وہ فوج میں بھرتی ھو کر اہل امریکہ کی جان و مال کی حفاظت کے لیے اپنی جان تک قربان کر دیتا ہے ۔ باوجود اس کے اس کو انسانیت کا درجہ نہیں دیا جاتا۔ فرانس آج بیسویں صدی میں الجزائر کے باشندوں کو موت کے گھاٹ اتار رہا ہے ۔ غرض اہل مغرب کی جس قوم کی طرف بھی دیکھو اس کا یہی رسوا کن طرز و طریق نظر آتا ہے ۔ ظاہر ہے اہل مغرب نے حضرت عیسیٰ کی تعلیم کو بالائے طاق رکھ دیا ھوا ہے ۔ ہر مغربی سلطنت پادریوں کی فوجیں اہل مشرق کو عیسائی بنانے کے لیے بھیجتی ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے خلاف ہر مشرقی قوم کو غلام بنا رکھنا اور ان کے گاڑھے پسینے کی کمائی کھانا ان کے لئے شیر مادر کی طرح حلال و طیب ہے ۔ اہل مغرب نے نسلی تعصب کے علاوہ ایک اور تعصب آفرین نظریہ قائم کر رکھا ہے ۔ وہ نیشنلزم ہے ۔ یہ ایک قوم کو دوسری قوم سے

بر سر پیکار رکھنے کا موجب ہے ۔ سب سے زیادہ جس قوم نے نیشنلزم کو فروغ دیا وہ انگریز ہیں۔ ان کا یہ نظریہ دنیا بھر کی قوموں میں منافرت پیدا کرنے کا موجب ہوا ہے ۔ ان کی پیدا کردہ اس وباء نے اہل مشرق میں بھی سرائیت کی ہے ۔ یوں کہیے کہ مغرب و مشرق دونوں اس کی لپیٹ میں آ گئے ہیں اور اس نے بین الاقوامی اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اس طرح یورپ نے علوم کی روشنی کے باوجود دنیا کو نقصان پہنچایا ہے اور اسی طرح وہ سائنیس کا غلط استعمال کر کے دنیا کو تباہی کی دھمکی دے رہا ہے اور دنیا کا امن ختم کر رہا ہے ۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اہم ترین اور مشکل ترین سوال کے حل کرنے کی طرف توجہ دی اور اس میں نہایت ممتاز کامیابی حاصل کی ۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں حضورکو اس خطرناک تعصب کا علم دیا جو انسان کو انسان کے برخلاف کر دیتا ہے اور قوم کو قوم کا دشمن بنا دیتا ہے، وہاں اس مہلک تعصب کے دور کرنے کا علاج بھی بتایا ۔ ذیل کے اعلان میں اس وبائے عالمگیر کے لئے موثر تریاق تجویز کیا گیا ہے ۔

يَا يُّهَا النَّاس انَّا خَلَقْنَا كُم مِنْ ذَكَر وَّ انْثى
وَ جَعَلْنَا كُم شعُوباً وَّ قَبَائل لتَعَارَفُوا انَّ
اَكْرَمَكُم عِنْدَ الله اَ تْقكُم (لحجرات ۹م آیه ۱۳)

اس اعلان کا خطاب ساری انسانیت سے ہے - یعنی اے دنیا جہاں کے لوگو! غور کرو تم ایک ماں باپ کی اولاد ہونے کی وجہ سے ایک ہی نسل کے افراد ہو - تم آہستہ آہستہ زمین کے مختلف حصص میں پھیل گئے اور تم زمیں کے مختلف علاقوں سے متاثر ہوئے - مثلاً میدانوں اور پہاڑی علاقوں سے اس کے باعث تمہارے خد و خال میں تغیر پیدا ہوا - اسی سے تمہارے رنگ اور تمہاری بولیاں مختلف ہوگئیں - علاوہ ازیں جغرافیائی حالات نے تمہارے اندر مختلف عادات و خصائل پیدا کر دیے - ان امور کی بنا پر تم نے تعارف کی خاطر اپنے اپنے گروہ کے لئے مختلف نام تجویز کر لئے - لیکن خوب یاد رکھو کہ انسانیت کی حقیقت میں کوئی تغیر پیدا نہ ہوا - تم ایک ہی نسل کی شاخیں ہو اور خوب یاد رکھو کہ مختلف قبائل کے نام اختیار کرنے سے انسان ہونے کی حقیقت تبدیل نہیں ہو جاتی - پہاڑی علاقہ کے لوگ قدرتی طور پر محنت و

مشقت کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں اور اپنی خوراک مہیا کرنے کے لئے ان کو شکار کھیلنے کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے اس سے ان کے اندر بہادری اور شجاعت اور جفاکشی کے جوہر پیدا ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات وہ اپنی اس طاقت کا غلط استعمال کرتے ہوئے میدانی لوگوں کو خوف زدہ کرکے ان کے مال لوٹ لیتے ہیں - اسی قسم کے خصائل جزیرے کے باشندوں میں بھی پیدا ہو جاتے ہیں - وہ بھی پہاڑی باشندوں کی طرح اپنی طاقت کا غلط استعمال کرکے سمندر میں غارت گری شروع کر دیتے ہیں اور انسانیت کے کمزور حصہ کے لئے دائمی خطرہ بن جاتے ہیں - اس طرح وہ لوگ جو سرد ملکوں میں بود و باش رکھتے ہیں وہ اپنے رنگ پر فخر کرنے لگتے ہیں اور اپنی نسل کے اس حصہ کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں جو گرم علاقوں میں آباد ہو کر اپنا رنگ سیاہ کرلیتے ہیں۔ ان سب کو مخاطب کرکے فرمایا : تمہارا قبائل میں تقسیم ہو جانا صرف تمہارے تعارف کے لئے ہے - تمہارے لئے اس کو اپنی فضیلت اور فوقیت کی وجہ تصور کر لینا درست نہیں ہے۔ تمہاری نسل و انسانیت ایک ہے۔ تمہاری فطرت بھی ایک ہی ہے۔ فوقیت و فضیلت کسی قوم یا قبیلے کے

ساتھ وابستہ ہونے سے حاصل نہیں ہوتی - فوقیت و فضیلت خدا خوفی اور نیک عملی کی زندگی اختیار کرنے سے نصیب ہوتی ہے - جس قوم کی سیرت و کردار بلند ہوگا وہی قوم سر بلندی کی مالک بنیے گی اور جس قوم کے افراد کو سیرت و کردار کی بلندی حاصل نہ ہوگی، وہ قوم سر فرازی حاصل نہ کر سکے گی - یہ قانون ہمہ گیر ہے- اسی معیار پر قومیں اور افراد پرکھے جاتے ہیں - ہندو ہو یا سکھ، یہودی ہو یا عیسائی ، مغرب کا باشندہ ہو یا مشرق کا سب اسی قانون پر پرکھے جائیں گے - اس کرہ ارض پر کہیں بھی کوئی شخص رہائش پذیر ہو اگر وہ لوگوں کے علم میں پورا پورا دیانتدار ہو تو اس کو معزز سمجھا جاتا ہے اور ہر فرد جو حق پرستی سے کام لیتا ہو یہ عالمگیر قانون اس کی عزت و سرفرازی کی ضمانت دیتا ہے -

حجة الوداع

نبی کریم کے آخری حج کو حجة الوداع کہتے ہیں - جیسا کہ خود ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے - حج وہ عبادت ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک بہت بڑی اہمیت حاصل ہے - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے -

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ

یعنی خدا کی رضاء کے حصول کے لئے لوگوں پر کعبہ اللہ کا حج کرنا فرض کیا گیا ہے - مسلمانوں کے دلوں میں حج کرنے کے لئے زبردست ولولہ ہے ۔ لوگ گھر بار چھوڑ کر سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے بڑے ذوق و شوق سے یہ عبادت ادا کرنے کے لئے مکہ معظمہ میں جمع ہوتے ہیں ۔ ان کو عبادت میں استغراغ ہوتا اور نہایت گرم جوشی سے یہ نعرے بلند کرتے ہیں :

اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ ۔ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ

یعنی ہم تعمیل احکام کے لئے حاضر ہیں ۔

لَکَ اَلْمُلْکَ وَلَکَ اَلْحَمْدُ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ ۔

یعنی اے خدا کائنات پر حکومت بھی تیری ہے اور حقیقی حمد تیرے ہی لئے سزاوار ہے ۔

لَکَ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ سَعْدَیْكَ

ان نعروں سے جو انبوہ کثیر کی زبانوں سے بلند ہوتے ہیں وادی گونج اٹھتی ہے اور مل کر بلند آواز سے خدا کی حمد و ثنا کرنے سے دلوں میں رقت پیدا ہوتی ہے - یہ سماں

تھا اور اس مقام پر حضور علیہ السلام کا آخری خطبہ تھا۔ حضور کا خطبہ سننے کے لئے عشاق کا مجمع ہمہ تن گوش بنا بیٹھا تھا - اس خطبہ کا موضوع یہی آیت کریمہ تھی۔

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَا کُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنَا کُمْ شُعُوْباً وَّ قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔

حضور نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اس کی غرض و غایت کو نہایت واضح الفاظ میں یوں تلقین فرمایا :

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وَّاِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ وَلَا فَضْلَ لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔

یعنی اے لوگو! تمہارا خدا ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے یعنی تم خدا تعالیٰ کا بڑا بھاری کنبہ ہو - اس لئے سب کے درمیان خلوص و محبت بھرا اتحاد ہونا چاہیے اور یاد رکھو

کسی عربی کو کسی غیر عربی پر کسی قسم کی فضیلت و برتری نہیں ہے اور نہ ہی کسی کالے رنگ کے انسان کو گورے رنگ کے شخص پر کس قسم کی فضیلت و برتری حاصل ہے۔ اسی طرح سے کسی غیر عربی کو کسی قسم کی فضیلت و برتری کسی عربی پر نہیں ہے اور نہ کسی گورے رنگ کے انسان کو کسی کالے رنگ کے شخص پر کوئی فضیلت و برتری حاصل ہے۔ تمھارے درمیان مختلف قومیں ہیں ان مختلف قوموں میں حقیقی و پائیدار اتحاد اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے جب لوگ یہ یقین کرلیں کہ اصلی فضیلت خدا کے نزیک یہ نہیں کہ ہم فلاں نسل سے ہیں اور فلاں پیغمبر ہمارا مورث اعلیٰ ہے، بلکہ اصلی اور حقیقی فضیلت خدا کے نزدیک اُس قوم یا اُس فرد کو حاصل ہے جو سب سے زیادہ خدا خوف ہو، سب سے زیادہ نیک عمل ہو۔ تم سب کے لئے فضیلت و فوقیت کا صرف یہی معیار ہے۔ نسل پر غرور و گھمنڈ کرنا فضیلت کا باعث نہیں بلکہ اس قسم کا غرور نقصان دہ ہے۔ یہ غرور دوسروں کی تذلیل و تحقیر کا باعث ہوتا ہے اور فساد عظیم کا موجب بنتا ہے۔ ایسا کرنے سے خدا تعالیٰ کا کنبہ تتر بتر ہوتا ہے اور ان کے دلوں میں

دشمنی پیدا ہوتی ہے - اس لئے خدا تعالیٰ اس کو نہایت نا پسند کرتا ہے - اسی وجہ سے اس نقصان دہ بیماری کو دور کرنے کی خاطر انسانوں کو حقیقی و مفید فضیلت کے حصول کا اصول سکھاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا خوفی اور نیک عملی کی زندگی اختیار کرو تا کہ خدا کے نزدیک اور بندوں کے نزدیک معزز قرار دیے جاؤ اور تمہاری وجہ سے دنیا میں پائیدار امن قائم ہو -

یہ خطبہ حضور نبی کریم کے دل کی عکاسی کرتا ہے - یورپ کے بعض حکمرانوں کی طرح حضور اس امر کی تلقین نہیں کرتے کہ ہم سب سے بہتر قوم ہیں اس لئے ہم کو دوسری قوموں پر اپنی سرداری اور برتری مسلط کرنے کا استحقاق حاصل ہے اوردوسری قوموں کو اپنے ماتحت رکھنا ہمارا حق ہے - حضور تو اس کے الٹ اعلان کرتے ہیں کہ ہم عربوں کو کسی دوسری قوم پر کسی قسم کی فضیلت حاصل نہیں ہے - اگر دوسری قوم ہماری نسبت زیادہ خدا خوف ہواور ہم سے بڑھ کر مخلوق خدا کی خدمت گذار ہو تو فضیلت اس کو حاصل ہوگی - اگر ہم خدا ترس نہ ہوں اور نہ ہی رفاہ عام کے کام کرکے مخلوق خدا کی خدمت کرتے ہوں ، تو کسی صورت

میں ہمیں سرفرازی حاصل نہ ہوگی - برتری اور سرفرازی کے حصول کا صرف ایک ہی طریق ہے اور وہ ہے دل میں خدا کا خوف بٹھانا اور تمام نازیبا حرکات سے باز رہ کر اپنے دل کو پاک صاف بنانا اور اس کے ساتھ ساتھ خدا کی مخلوق کی خدمت کے جذبہ سے سرشار رہنا - یہ قانون نہایت مقبول اور مفید ہے اور ہمہ گیر بھی ہے - اس ہمہ گیر تعلیم کا چرچا حضور نے اپنے آخری حج کے موقع پر عشاق کے جم غفیر کے سامنے کیا اور یہ قیمتی سبق لوگوں کے دلوں میں اتر گیا - یقیناً یہ بہت اہم خدمت ہے جو حضورعلیہ الصلوۃ والسلام نے سر انجام دی -

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قابل‌قدر تلقین نے قوم کے اخلاق کو نہایت بلند سطح پر پہنچا دیا - قبائل عرب کے سامنے ایک بالکل جدید طرز زندگی اختیار کرنے کا سبق رکھا گیا - قبائلی سردار یورپ کے امراء کی طرح غرباء کے ساتھ مل جل کر بیٹھنا پسند نہ کرتے تھے اور یہ بھی پسند نہ کرتے تھے کہ جس مجلس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غرباء کے درمیان گھل مل کر بیٹھے ہوں اس مجلس میں شرکت کریں - کیونکہ ایسا کرنا ان

کی روایات اور رواج کے بالکل خلاف تھا ۔ چنانچہ انھوں نے حضور کے چچا ابوطالب سے اس امر کی شکایت کی کہ آپ کے بھتیجے محمد صلعم نے عرب کی روایات کو یکسر مٹا دیا ھے ۔ وہ غرباء کو اپنی مجلس میں شریک کرتے ھیں ۔ اگر انھوں نے اس صورت حال کو قائم رکھا تو ھم ان کی مجلس میں بیٹھنے کے روادار نہیں ھوں گے اور نہ ھی ان کی اس قسم کی تعلیم کو اپنا سکنے کے لئے تیار ھو سکتے ھیں ۔ لیکن حضور جو نہایت ھی پختہ عزم کے مالک تھے اور جو اپنی تعلیم کو انسانیت کے لئے موجب برکت یقین کرتے تھے کیا ایسا کر سکتے تھے کہ امراء کی خاطر غرباء کو دھتکار دیں ۔ قرآن کریم میں اس اھم معاملہ کا ذکر آیا ھے جو ذیل میں درج کیا جاتا ھے :

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ .... فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ ۔ (الانعام ۶ آیت ۱۳)

یعنی آپ کو نہ چاھیے کہ امراء کی خاطر ان غرباء کو اپنی مجالس سے نکال دیں جو رضاء الٰہی کے حصول کے لئے صبح

شام عبادت میں مصروف رہتے ہیں - اگر آپ نے ایسا کیا تو
آپ ظالم قرار دیے جائیں گے - یقیناً امراء و غرباء دونوں رب
العالمین کی مخلوق ہیں - اگر امراء کو ان کی دولت و اقتدار
لذات دنیوی میں غرق کر رکھے اور ان کے مقابل پر
غرباء کو اللہ تعالیٰ ایمان کی دولت سے مالا مال کر دے اور
وہ عبادت گذار بن جائیں تو موخر الذکر لوگ خدا کے نزدیک
زیادہ قدر کے قابل ہیں - ایسے غرباء کو امراء کی خاطر
اپنی مجالس سے نکال دینا ظلم ہوگا - یہ آیت کریمہ واضح طور
پر بیان کرتی ہے کہ حقیقی فضیلت عمل سے حاصل ہوتی ہے
نہ اونچی نسل سے - اصلی بزرگی عمل سے میسر آتی ہے نہ کہ
دولت و اقتدار سے کسی شخص کا دولت مند ہونا یا اونچی
نسل سے ہونا اس کو صاحب عظمت و صاحب فضیلت نہیں
بنا سکتا اور نہ ہی کسی شخص کا غریب ہونا اس بات کی
دلیل ہو سکتا ہے کہ وہ صاحب اخلاق اور صاحب شرافت
نہیں ہے - سرداران قوم اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور برے
بھی - اسی طرح غرباء اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور برے بھی
حقیقی عزت و شرف اسی کا حصہ ہوتا ہے جس کے اخلاق
و اعمال اس کو صاحب عزت اور صاحب شرف قرار دیں -

حضور نے اس قسم کی گراں قدر تلقین فرما کر غریب طبقہ انسانیت کو پستی سے اٹھا کر رفعت کے مقام پر کھڑا کر دیا ۔ یہ ایک لا جواب انقلاب تھا جو حضور کی برکت سے رونما ہوا ۔ یہ ایک دشوار اور انہونی بات تھی جس نے حقیقت کا جامہ پہن لیا ۔ حضور نبی کریم جیسی عظیم الشان شخصیت کی مجلس میں بیٹھنا غرباء اپنے لئے صد فخر کا باعث سمجھتے تھے۔ جب ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی جناب سے حکم اتر آیا تو وہ خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے وہ فخر سے بیان کیا کرتے تھے :

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْعُدُ مَعَنَا وَيَدْنُو مِنَّا حَتّٰى تَمَسَّ رُكْبَتُنَا رُكْبَتَهُ

یعنی حضور ہمارے ساتھ گھل مل کر بیٹھا کرتے تھے اور ایسا قریب ہو کر بیٹھا کرتے تھے کہ ہمارے گھٹنے اور ان کا گھٹنا ایک دوسرے کو چھوتے تھے اور جب اس وحی کا نزول ہوا تو غرباء نہایت فخر سے کہا کرتے تھے :

فِيْنَا نَزَلَتْ

یعنی یہ وحی ہمارے حق میں اور ہماری عزت افزائی کے لئے اتری ہے ۔ فی الواقعہ حضور نے غرباء کا رتبہ بڑھا کر انہیں

باغ باغ کردیا - مگر غرباء کو اشتعال دلا کر امراء کے خلاف نہ کیا - اگر امراء کے افعال ثابت کرتے ہوں کہ وہ بھی صاحب اخلاق اور صاحب شرف ہیں تو یہ سونے پر سہاگہ ہوگا - حضور کے فیض سے امراء بھی حقیقی فضیلت کے مالک بن گئے تھے - اس لئے حضور ان کی تکریم کرنے سے دریغ نہ کرتے تھے اور غرباء کو تلقین کرتے تھے :

قُومُوا اِلَی سَیِّدِکُم

یعنی اپنے سردار کا استقبال کرنے کے لئے اٹھو اور آگے بڑھ کر ان کو خوش آمدید کہو - یورپ اس کے برعکس نقشہ پیش کرتا ہے - جب روس میں انقلاب برپا ہوا تو غرباء کو جو امراء سے تنگ آئے ہوئے تھے بھڑکا دیا گیا تھا - جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ انھوں نے امراء کو بری طرح سے تہس نہس کرکے رکھ دیا تھا - اس کے برعکس وہ انقلاب جو حضور نبی کریم کی برکت سے رونما ہوا ایک لاجواب کرشمہ تھا - حضور نے کسی قسم کا فساد برپا نہ ہونے دیا کیونکہ وہ انسانیت کے ہر طبقہ کے لئے رحمت بن کر آئے تھے - انھوں نے امراء اور غرباء دونوں کی اصلاح فرمائی - غرباء کو اٹھا کر امراء کی صف میں کھڑا کر دیا اور امراء کے

دلوں میں یہ عرفان پیدا کیا کہ ہماری شرافت اور فضیلت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم غرباء کو اپنا بھائی یقین کریں اور ان کے ساتھ ہر موقع پر پوری پوری مساوات کا برتاؤ کریں۔

حضور علیہ السلام نے جہاں عام طور پر قوم میں حقیقی اخوت اور حقیقی مساوات قائم کر دکھائی وہاں ایسے غرباء کو بھی مستحق توجہ سمجھا جو بجی طور پر خاندانوں میں خادموں یا غلاموں کی حیثیت رکھتے تھے چنانچہ فرمایا

اِخْوَانُکُمْ خَوَلُکُمْ

لوگوں تمہارے خادم تمہارے بھائی ہیں

فَمَنْ جَعَلَ اللّٰہُ اَخَاہُ تَحْتَ یَدِہٖ فَلْیُطْعِمْہُ مِمَّا یَأْکُلُ وَیُلْبِسْہُ مِمَّا یَلْبَسُ۔

یعنی جس شخص کے ماتحت خدا نے اس کا بھائی کر دیا ہو وہ اس خادم یا غلام کو اپنا بھائی سمجھ کر اس کو وہی کھانا دیا کرے جو وہ خود کھاتا ہو اور اس کو وہی لباس پہنایا کرے جو وہ خود پہنتا ہو۔ اس تعلیم و تربیت کا یہ اثر ہوا کہ ساری کی ساری قوم حقیقی تہذیب کے زیور سے آراستہ ہو گئی اور ان کے دلوں میں ایک با برکت تبدیلی

رونما ہوگئی۔ یہ رحمۃ اللعالمین کی کرشمہ سازی تھی۔

ایک اور آیت کریمہ بھی ہے جو اسی مضمون کی تلقین کرتی ہے۔ وہ آیت انسانیت کی قدر و قیمت قائم کرنے کی تلقین کرتی ہے اور وہ انسان کے قلب کو نور ایمان سے منور کرتی ہے اور ساری انسانیت کے ساتھ ہمدردی پیدا کرنے کے لئے آمادگی پیدا کرتی ہے۔ نسل اور اقتدار جب دونوں کسی جگہ اکٹھے ہو جاتے ہیں تو اکثر صورتوں میں انسانیت کے لئے وبال ہو جاتے ہیں۔ حضور نبی کریم علیہ افضل الصلواۃ و التحیات نے اس نازک اور دشوار معاملہ کی طرف بھی توجہ دی ہے وہ آیت کریمہ جو مذکورہ بالا امور کو سامنے رکھتی ہے اور جو ساری انسانیت میں اتحاد ارتباط پیدا کر سکتی ہے ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

یَا یُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ
مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ۔
مِنْهُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ نِسَاءً وَّاتَّقُوا اللہَ
الَّذِیْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللہَ کَانَ عَلَیْکُمْ
رَقِیْبًا۔ (النساء آیت ۱)

یعنی اے لوگو تم اس علیم و بصیر خدا سے ڈر کر زندگی بسر کرو جس نے تمہیں زندگی عنایت کی - پھر تمہاری زندگی کے قیام کے لئے تمام قسم کے ضروری اسباب پیدا کئے - وہ تم سب کا خالق بھی ہے اور ربوبیت کرنے والا بھی - وہ چاهتا هے که تم خدا ترس بنو اور وہ چاهتا هے که تم اس کی پیاری مخلوق سے جو تمہارے هی هم جنس هیں اخوت و محبت کا رابطه قائم کرو اس نے تم کو ایک ماں باپ سے پیدا کیا م سب ایک هی نسل سے هو - اور مرد اور عورت بھی ایک هی جنس سے هیں اسی لئے هم نے مرد و عورت کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے محبت پیدا کر رکھی هے :

جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً

چونکه میاں بیوی هم جنس هیں اس لئے ان کے حقوق بھی برابر هیں اور ساری اقوام عالم ایک هی ماں باپ سے پیدا هوئی هیں اس لئے لازم آتا هے که ایک هی نسل سے هونے کی وجه سے ایک دوسرے سے سچی همدردی کریں - جس طرح عورت مرد صله رحمی کے رشته میں مربوط هیں - اسی طرح تمام اقوام عالم رشته صله رحمی میں منسلک هیں - جس طرح خدا خوف تمہارا شعار هونا چاهیے اسی طرح صله رحمی

تمہارا امتیازی نشان ہونا چاہیئے - اس قیمتی ارشاد کی تعمیل پر زور دینے کے لئے فرمایا

وَ كَانَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ رَقِيْباً

خدا تعالیٰ تمہارے اوپر نگاہ رکھے گا کہ تم کس حد تک خدا تعالیٰ کے اس اہم فرمان کی پابندی کرتے ہو حضور نبی کریم کے متعلق لوگوں کا مشاہدہ تھا کہ جو کچھ ارشاد فرماتے اس پر عمل بھی کر دکھاتے اور حضور خود اپنے متعلق فرمایا کرتے تھے -

"اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ

خدا تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرنے میں - میں پیش پیش رہتا ہوں - اس سلسلہ میں ذیل کے چند واقعات نہایت واضح طور پر ثابت کرتے ہیں - کہ حضور اپنے پہلو میں عامة الناس کے لئے بلا تمیز درد بھرا دل رکھتے تھے اور ان کی مصیبت کو جب تک دور نہ کر لیتے ان کو چین نہیں پڑتا تھا۔

مضر وہ قوم تھی جس نے اپنی بد خلقی اور دشمنی کی وجہ سے رسول کریم کے ساتھیوں کو بے حد تنگ کر رکھا تھا - اس قوم پر برے دن آئے - قحط سالی کے باعث ان کو

سخت بد حالی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ لوگ چل کر نبی کریم کی خدمت میں مالی امداد حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے۔ حضور نے ان کی خاطر قوم کو جمع کیا اور ان کو عامۃ الناس کے ساتھ ہمدردی کرنے اور ان کی تکلیف دور کرنے کا وعظ فرمایا اور وہی آیت تلاوت فرمائی جس کا ابھی ذکر ہوا ہے۔ ارشاد فرمایا :

یَاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَ بَثَّ مِنْھُمَا رِجَالاً کَثِیْراً وَّنِسَاءً

فرمایا مضر قوم مصیبت میں مبتلا ہے۔ ان کی مصیبت کو دور کرنا ہمارا فرض ہے۔ حضور کی یہ تلقین سن کر ایک ایک مسلمان اٹھا اور گھر سے غلہ اور پارچات وغیرہ لا کر حاضر کر دیے۔ لکھا ہے مضر قوم کے سامنے ان چیزوں کے انبار لگ گئے جو انھوں نے نہایت شکر گذاری سے قبول کئے اور پیغمبر خدا کی اور ان کی جماعت کی ہمدردی اور فیاضی کے گیت گاتے ہوئے اپنے علاقہ کو واپس چلے گئے۔

اہل مصر پر بھی ایک دفعہ شدید قسم کا قحط مسلط ہوا۔ وہ بھی حضور نبی کریم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ قوم مضر تو بت پرست تھی اور اہل مصر عیسائی مذہب کے

پیرو تھے - ان کی حالت زار کو دیکھ کر حضور نے قوم کو جمع ہونے کا حکم دیا اور اہل مصر سے ہمدردی کرنے اور ان کی مصیبت دور کرنے کی تلقین فرمائی - اس موقع پر بھی مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ خدا کی اس تعلیم کا اقتضاء یہی ہے کہ ہم بنی نوع انسان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں اور ان کے دکھ درد میں شریک ہوں - ہمارے لئے لازم ہے کہ ہم اہل مصر کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کریں اور ان کی تکلیف کو دور کریں - یہ وعظ سن کر اس مجمع کا ہر فرد اٹھا اور اپنے گھر سے غلہ اور پارچات وغیرہ لا کر پیش کر دیے - غلہ اور پارچات کے ڈھیر اہل مصر کی خوشی کا موجب ہوئے جو انھوں نے قبول کئے - ان کے دل شکر گذاری کے جذبہ سے لبریز تھے -

عام الوفود

جب حضور کو سلطنت ملی اور حضور بادشاہی کے تخت پر متمکن ہوئے تو ان کے دربار میں وفود آئے - اسلامی تاریخ میں اس سال کا نام عام الوفود ہے - یہ وفود عیسائی، یہودی اور بت پرست لوگوں پر مشتمل تھے - یہ وفود ایک ہی وقت میں نہ پہنچے تھے بلکہ یکے بعد دیگرے

مختلف وقتوں میں آئے تھے - ان میں سے ہر ایک کے ساتھ تعظیم و تکریم کا سلوک کیا گیا کیونکہ حضور کے قلب مبارک میں غیر محدود وسعت تھی اور قلب مطہر ہر قسم کے تعصب سے پاک تھا - وہ ساری انسانیت کو خدا تعالیٰ کا کنبہ یقین کرتے تھے اور خدا تعالیٰ کا یہ حکم جو اس آیۃ میں ہے

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمْ

ان کے پیش نظر رہتا تھا۔ جس حکم کے معنی یہ ہیں ہم نے بنی نوع انسان کو قابل تکریم بنایا ہے - چنانچہ ہر وفد کو خانۂ خدا میں اتارا گیا جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ جس طرح خدا تعالیٰ تمام اقوام کا خالق اور رب ہے اسی طرح سے اس کی عبادت گاہ کے دروازے اس کی ساری مخلوق کے لئے کھلے ہیں - یوں بھی خانۂ خدا میں کسی غیر مذہب کے پیرو کو اتارنا اس کی انتہا درجے کی تعظیم کرنا ہوتا ہے - ایسی غیر معمولی عزت ہر وفد کو نصیب ہوئی -

ان وفود میں طائف کے مشرکین کا وفد بھی تھا - یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کا

استقبال پتھروں کی بارش سے کیا تھا اور حضور کو لہولہان کر ڈالا تھا - حضور نے بغیر یہ جتلانے کے کہ تم نے ہمارے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا تھا ان کو بھی خانہ خدا میں جگہ دی اور شاہی مہمان نوازی سے ان کی عزت افزائی کی -

اسی طرح عیسائیوں کے وفد کے ساتھ بھی نہایت کریمانہ برتاؤ کیا گیا اور ان کی مزید تکریم اس طرح کی گئی کہ خانۂ خدا جو حسب معمول ان کی قیام گاہ کے لئے مختص کیا گیا تھا اس توحید کے گھر میں عسیائیوں کو گرجا کرنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی - علاوہ ازیں ان کو ایک شاہی فرمان عطا کیا جس میں ان کے جان و مال، ننگ و ناموس کی حفاظت کی ضمانت دی گئی تھی اور ان کو مذہبی آزادی عطا کی گئی تھی -

عیسائیوں کے وفد کی طرح یہودیوں کے وفد کے ساتھ بھی حضور حسب عادت نہایت اعلیٰ درجے کے حسن سلوک اور فیاضی سے پیش آئے - غرض حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے جس طرح لوگوں کے دلوں کو اعلیٰ درجہ کے نظریات اور اصولوں سے منور کیا تھا اسی طرح سے حضور کے اخلاق فاضلہ اور

عنایت کریمانہ نے لوگوں کو بے حد متاثر کیا ۔ فرمان روا بننا آسان نہیں ہوتا ۔ لوگوں کی نگاہ اس کے اعمال اور طرز زندگی پر ہوتی ہے ۔ وہ کڑی نکتہ چینی کی آماجگاہ ہوتا ہے ۔ لیکن حضور نبی کریم نے تخت سلطنت پر متمکن ہو کر اپنے تئیں ایک معیاری بادشاہ ثابت کر دکھایا ۔ سیاست کے جو قوانین انھوں نے تجویز کئے تھے وہ ابدی افادیت اور برکت کے حامل ہیں اور انھوں نے رعایا سے جو سلوک کیا اس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ عالم عاجز ہے ۔

صوبہ یمن کے یہودیوں کے ساتھ کریمانہ سلوک

صوبہ یمن میں یہودی رہتے تھے ۔ حضور نے اس قوم کے لئے معاذ بن جبل اور موسیٰ اشعری کو گورنر اور جج مقرر فرمایا ۔ ان کو الوادع کہنے کے وقت حضور نے ان کو تو سوار کیا اور خود ان کی مشایعت کے لئے ان کے ساتھ پیدل چلنا شروع کیا اور فرمایا : تم جس قوم پر حکومت کرنے جا رہے ہو یاد رکھو وہ اہل کتاب ہیں اور یاد رکھو الایمان یمان یعنی اہل یمن ایماندار ہیں ۔ اور فرمایا الحکمۃ یمانیۃ یعنی اہل یمن علم و حکمت کے مالک ہیں ۔ یسرا ولا تعسرا یعنی ان سے نرمی کا سلوک کرنا اور ان

پر سختی نہ کرنا اور فرمایا بشرا ولا تنفرا ۔ تمہاری حکومت اور تمہارے اخلاق وا عمال ان کے دلوں میں نفرت پیدا کرنے کا موجب نہ ہوں بلکہ وہ طرز طریق اختیار کرو جس سے وہ پر امید ہوں اور مسرور ہوں ۔ اور فرمایا اتق دعوۃ المظلوم ۔ یہودیوں کے کسی فرد پر ظلم نہ کرنا بلکہ مظلوم کی آہ سے بچنا ۔ فانہ لیس بینہما و بین اللہ حجاب ۔ مظلوم اگرچہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو اس کی آہ سیدھی خدا تعالیٰ تک پہنچتی ہے اور اس آہ کے راستہ میں کوئی روک حائل نہیں ہوتی یعنی غیر مسلم مظلوم کی آہ مسلم حکمران کو خدا کی ناراضگی کا مورد بنا دیتی ہے ۔ اور فرمایا ایاکم وا لمعصیۃ ۔ حاکم بن کر خدا تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرنے سے بچنا :

فَاِنَّ بِالْمَعْصِیَۃِ حَلَّ سَخَطُ اللہ

یعنی فسق و فجور کی زندگی اختیار کرنے سے خدا کا عذاب اترتا ہے ۔

اور فرمایا

اِیَّاکُمْ وَکَرَائِمَ اَمْوَالِھِمْ

اور یاد رکھو اموال کا ھڑپ کر لینا تمھاری سیاست و حکومت کا مقصود نہ ھو کیونکہ اسلامی سیاست کا مقصد لوگوں کے مال اڑا لینا نہیں ھے - یہ وصیت اور یہ ارشادات جو حضور کی زبان مبارک ہر جاری ھوئے کئی ایک قسم کے مسائل پر روشنی ڈالتے ھیں - اس تلقین نے ایک ھی وقت میں مذھبی اور نسلی تعصبات کا خاتمہ کر دیا اور حکمران کے لیے نہایت ھی قیمتی قواعد و ضوابط کو جمع کر دیا اور اس میں اسلامی طرز حکومت کا مختصر لیکن جامع نقشہ کھینچ دیا - یہ تعلیم و تلقین ثابت کرتی ھے کہ حضور دنیا بھر کی قوموں کے لئے رحمت بن کر آئے تھے اور یہ امر بھی واضح ھو جاتا ھے کہ حضور کے نظریات اور حضور کے اخلاق اپنا لینے سے قوموں کے اندر حقیقی اخوت، حقیقی مساوات اور حقیقی امن و امان قائم ھو سکتا ھے -

اھل مصر پر حکومت

حضور نے جس طرح یمن کے یہودیوں کے حق میں نصیحت فرمائی تھی - اسی طرح مصر کے عیسائیوں کے حق میں یہی وصیت فرمائی تھی - حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا تھا :

سَتَفْتَحُونَ مِصْرَ اِسْتَوْصُوا بِاَھْلِھَا خَیْرًا

تم عنقریب مصر کو فتح کرنے والے ہو۔ اہل مصر کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرنا۔

فَاِنَّ لَھُمْ ذِمَّاً وَ رَحِمًا

کیونکہ وہ اسلامی سلطنت کی رعایا ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے معاہد ٹھہریں گے۔ اس لئے ان کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کرنا مسلمان حکمران کا فریضہ ہوگا۔ ذمی یا معاہد وہ غیر مسلم ہوتا ہے جو کسی مسلمان سلطنت میں آباد ہو۔ اس وجہ سے اس کے ساتھ اللہ اور رسول کا یہ عہد ہوتا ہے کہ تمہاری جان و مال اور عزت کی حفاظت کی جائے گی۔ اہل مصر تمہارے ذمی ہوں گے، اس لئے تم کو ان کے متعلق یہ عہد پورا کرنا ہوگا اور اس عہد کے علاوہ ایک رشتہ داری بھی ہے۔ جس کا لحاظ کرنا بھی لازم ہوگا۔ وہ رشتہ داری حضرت ابراہیم کی بی بی ہاجرہ کی وجہ سے ہے جو مصری ہیں اور تمہاری دادی اماں ہیں۔ ان کی وجہ سے بھی اہل مصر حق رکھتے ہیں کہ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور ان کی ہر طرح

کی رعایت ملحوظ رکھو اور ان کی دل جوئی کرنا تمھارے پیش نظر رہے - اس بیان سے ضمناً یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ حضور نبی کریم کی روشن و معقول تعلیمات نے عورت کو بھی خصوصی عزت کا مقام دے رکھا ہے -

اہل یمن کے لئے اور اہل مصر کے لئے وہی قوانین تھے جو مسلمانوں کے لئے تھے - اسلام کے قوانین میں اپنوں اور غیروں کے درمیان کسی قسم کی بے جا تمیز یا بے جا رعایت نہیں پائی جاتی - اس امر کا مشاہدہ یہودیوں اور عیسائیوں نے کیا کہ فی الواقعہ مسلمان حکمران کے لئے اسلام نے کوئی خصوصی اور امتیازی حقوق مقرر نہیں کئے اور نہ ہی کوئی قانون ایسا ہے جو اس کو جرم کے مرتکب ہونے پر سزا سے بچا سکے - ان کے ذاتی تجربہ نے دلوں میں شگفتگی پیدا کر دی جس کی وجہ سے وہ اسلامی حکومت کے حیران کر دینے والے عدل و انصاف کے گرویدہ ہو گئے - عدل و انصاف کے مشاہدات کے علاوہ ان کے سامنے ایک حیرت انگیز واقع رونما ہوا - عمرو بن العاص گورنر مصر کے صاحبزادے نے ایک مصری عیسائی کے ساتھ ناجائز سختی کی اور اس کو زد و کوب کیا - جب اس واقعہ کی رپورٹ

خلیفة المسلمین حضرت عمر کے حضور پیش ہوئی تو انہوں نے عمرو ابن العاص اور ان کے صاحبزادے کو مدینہ حاضر ہونے کا حکم دیا اور وہاں پبلک میں اس صاحبزادے کو اس کی ظالمانہ حرکت کی سزا دی گئی اور عمرو ابن عاص کو ان الفاظ میں ملامت کی گئی :

مُنْذُ کَمْ تَعَبَّدْتُمُ النَّاسَ الَّذِیْنَ وَلَدَتْهُمْ
اُمَّهَاتُهُمْ اَحْرَاراً

یعنی تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنانا شروع کیا حالانکہ ان کی ماوؤں نے ان کو آزاد جنا تھا ۔ اہل مصر کے لئے عدل و انصاف کا یہ مشاہدہ بالکل غیر متوقع تھا ۔ بھلا رعیت کا ایک شخص عیسائی ہو اور مصر کا گورنر مسلمان ہو اور گورنر کے صاحبزادے کو ایک عیسائی کی خاطر پبلک میں کوڑے لگائے جائیں ۔ یہ ایک ناممکن امر تھا جس کو اسلامی عدل نے ممکن کر دکھایا ۔ اس واقع نے اہل مصر پر نہایت ہی گہرا اثر کیا ۔ ان کے لئے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ حقیقی عدل و انصاف اسی کو کہتے ہیں اور عدل و انصاف کے بغیر حقیقی امن و امان کی زندگی نصیب نہیں ہو

سکتی - نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے اس تجربہ و مشاہدہ نے ان کو با وفا رعایا بنا دیا -

حضور علیہ الصلوۃ واالسلام کی تبلیغی سعی

اسلامی تعلیمات نے اہل عرب کی کایا پلٹ دی تھی - بادیہ نشین صاحب علم وعرفان ہوگئے تھے- وہ اخلاق فاضلہ اور عادات و شمائل حسنہ کے زیور سے آراستہ ہوگئے تھے- عرب میں معیاری اخوت ، معیاری مساوات اور معیاری عدل و انصاف قائم ہوگیا تھا - اپنے ملک کی اصلاح کے بعد حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ان ممالک کی اصلاح کی طرف بھی توجہ دی جو عرب کے علاوہ تھے - حضور علیہ الصلوۃ والسلام صرف عرب کے لئے ھی مبعوث نہ ہوئے تھے - ان کی رسالت تمام جہان کے لوگوں کے لئے تھی - وہ فرماتے ہیں :

اِنّی رَسُوْلُ اللہ اِلَیْکُمْ جَمِیْعاً

اور فرماتے ہیں قرآن کریم ساری دینا کے لئے پیغام لایا ہے -

اِن ھو اِلاَّ ذکرٌ للعالمین

اس لئے انہوں نے عرب کے علاوہ ان تمام ممالک کے باشندوں

تک اپنا پیغام پہنچایا جو ان کے ارد گرد رہتے تھے - بادشاھوں کے پاس سفیر بھیجنا اور ان کے نام خطوط لکھنا ساری قوم کو مخاطب کرنے کے مترداف ھوتا ھے - چنانچہ بادشاھوں کے نام خطوط لکھنے کی خاطر مہر تیار کرائی گئی جس کا نقش یہ تھا : اللہ
رسول
محمد

یہ نقش حدیث اور سیرت کی کتابوں میں موجود ھے - بادشاھوں کے نام جو خطوط لکھے جاتے تھے ان پر یہ مہر ثبت کی جاتی تھی - کسریٰ شاہ ایران کے نام خط لکھا گیا - ھرقل شاہ شام کے نام تبلیغی خط لکھا گیا - مقوقس شاہ مصر کے نام خط لکھا گیا اور شاہ حبشہ کو خود مسلمانوں نے بالمشافہ تبلیغ کی جو نہایت موثر اور نتیجہ خیز ثابت ھوئی - یہ واقعات تاریخ میں درج ھیں - اس تاریخ میں بھی مرقوم ھیں جو اپنوں نے لکھی ھے اور اس میں بھی جو غیر اقوام کے مصنفوں نے تالیف کی یہ تاریخی واقعات ثابت کرتے ھیں کہ حضور نے رسالت کے فرائض ادا کرنے میں نہایت استقلال اور مستعدی سے کام لیا اور اپنا پیغام جو عالمگیر تھا دنیا کی مختلف اقوام تک پہنچا دیا -

دنیا کے تمام مذاہب سچے ہیں

ان میں حقانیت ہے اور ان میں نور ہے۔ مذکورہ بالا واقعات کے مطالعہ سے یہ حقیقت نہایت وضاحت سے سامنے آجاتی ہے کہ خدا رب العالمین ہے۔ اس کی عنایات کسی خاص قوم تک محدود نہیں ہیں اور نہ ہی اس نے اپنی عنایات سے کسی قوم کو محروم کر رکھا ہے۔ سب قوموں میں اس کے رسول مبعوث ہوئے اور سب قوموں پر آسمانی کتابوں کی شکل میں اس کی جناب سے روحانی بارش نازل ہوئی۔ قرآن کریم ان کتابوں کی تعلیمات کو مفید و موثر ٹھیراتا ہے چنانچہ فرمایا:

اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰاةَ

یعنی ہم نے تورات نازل فرمائی اور اس کی تعلیمات کے متعلق فرمایا:

فِیْهَا هُدًی وَّ نُوْرٌ

یعنی تورات کی تعلیمات میں رشد و ہدایت ہے اور بصیرت کو صیقل کرنے کے لئے اس میں روشنی اور نور ہے اور اسی طرح انجیل کے متعلق فرمایا:

وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ

ہم نے حضرت عیسیٰ کو انجیل عطا کی تھی ۔

فِيهِ هُدًى وَ نُورٌ

یعنی اس میں بھی زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے ہدایت کا سامان فراہم کیا گیا ہے اور دل و دماغ کو روشن کرنے کے لئے اس میں بھی روشنی اور نور رکھا گیا ہے ۔

اسی ضمن میں فرمایا :

اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ○ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقاً لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ اَنْزَلَ التَّوْرَاةَ وَ الْاِنْجِيْلَ

یعنی خدا تعالیٰ جو زندگی کا سر چشمہ ہے اسی کی وجہ سے تمام زندگی کو قیام حاصل ہے اور اسی کی وجہ سے زندگی نشو و نما پاتی ہے وہ ذات جو ان صفات سے متصف ہے صرف ایک ہی ہستی ہے ۔ جو واحد لا شریک ہے ۔ جس حی و قیوم خدا نے کائنات میں زندگی پیدا کی اسی خدا نے

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ

یعنی اسی نے روحانی زندگی کے لئے حق و حکمت سے بھری

ھوئی کتاب آپ پر نازل کی ۔ اور اس کتاب کی یہ شان بھی ہے:

مُصَدِّقاً لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ

یہ ان تمام سچائیوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پیشتر موجود ھیں اور یہ کتاب تصدیق کرتی ہے کہ خدا نے تورات اور انجیل نازل فرمائی اور ان کتابوں کی تصدیق کرنے کے علاوہ حق و باطل میں تمیز کرنا بھی اسی کتاب کا کام ہے اور اسی لئے اس کا ایک نام الفرقان بھی ہے۔ الفرقان ان باطل روایات کی نشان دھی کرتا ہے جو لوگوں نے خدا کی کتابوں میں ملا رکھی ھیں ۔ قرآن کریم الفرقان ھونے کےماسوا مہیمن بھی ہے ۔ یعنی آسمانی کتابوں کی تعلیمات کی محافظت کرتا ہے ۔

خدا تعالیٰ کے قرب کی راہ

خدا تعالیٰ اس کائنات کے ھر طبقے کا خالق ہے اور وھی ھر طبقہ کی نشو و نما کے لئے اور کامیابی کے لئے رھنمائی کرتا ہے ۔ ھمارا مشاھدہ ہے کہ مخلوقات کا ھر حصہ سرگرم عمل ہے اور وہ اپنے اپنے مقررہ وظیفے نہایت خوبی سے سر انجام دے رھا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کائنات کا ھر

طبقه اپنی برکات سے دنیا کو متمتع کر رہا ہے - یہ سب کچھ ایک خوبی بھرے نظام کی وجہ سے ہے - اللہ تعالیٰ نے کائنات کو صرف پیدا ہی نہیں کیا بلکہ کائنات کے ہر طبقہ کی طبیعت میں اس کی غرض و غایت کے پورا کرنے اور اس کی کامیابی کے لئے مناسب ہدایت ودیعت کر رکھی ہے - آسمان کے سیاروں کو دیکھو وہ قوت ارادی سے تو محروم ہیں اورنہ ہی ان میں کسی کی خدمت کرنے کا جذبہ موجود ہے - وہ اپنے ارادے سے اپنی رفتار میں مزید تیز رفتاری اختیار نہیں کر سکتے اور نہ ہی سست رفتاری اختیار کرنے پر قادر ہیں - لیکن ان کی نیچر میں ہدایت رکھی گئی ہے جس کی وہ تعمیل میں مصروف کار ہیں - وہ ایک ایسے نظام میں جکڑے ہوئے ہیں جس کی برکت سے دنیا بس رہی ہے اور جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نظام میں قوانین کام کر رہے ہیں - ان قوانین کو اسٹرانومی یا علم ہیئت کا نام دیا جاتا ہے - ان سیاروں کے نظام میں ایک دوسرا علم بھی پایا جاتا ہے جس کو اسٹرالوجی کہتے ہیں - یہ حقائق و شواہد ثابت کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہر طبقہ کائنات میں اپنا اپنا مقررہ وظیفہ انجام دینے کی ہدایت و دیعت کر رکھی ہے - اسی طرح

شہد کی مکھی کی طبیعت میں شہد پیدا کرنے کی ہدایت ودیعت کر رکھی ہے ۔ چنانچہ فرمایا :

وَ اَوحٰی ربک الی النَّحل

یعنی ہم نے شہد کی مکھی کی جبلت میں اس کی راہنمائی ودیعت کر رکھی ہے ۔ شہد سازی کے علاوہ شہد کی مکھیوں کی طبیعت میں حیاۃ اجتماعیہ کا قیمتی اصل الاصول ودیعت کر رکھا ہے جو انسان کو حیات اجتماعیہ کا سود مند سبق سکھاتا ہے ۔ اسی طرح بطخ کی طبیعت میں پانی سے محبت کرنا رکھا گیا ہے وہ پانی کو دیکھ کر اس کی طرف سرعت سے بھاگتی ہے اور اس میں کود پڑتی ہے ۔ لیکن مرغی پانی میں داخل ہو تو وہ جان سے ہاتھ دھو ڈالتی ہے ۔ بھیڑ کی طبیعت ایسی نہیں کہ اس کو گوشت کھانے کی تربیت دی جا سکے اور اس سے کتے کی جگہ پاسبانی کا کام لیا جا سکے اور نہ ہی چیتے کو گھاس کھانا سکھایا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کی درندگی دور کرکے اس کو بھیڑ بنایا جا سکتا ہے ۔ باز اور کبوتر دونوں میں بلند پروازی کی صفت رکھی گئی ہے ۔ لیکن کبوتر کو شکار کرنا نہیں سکھلایا جا سکتا اور نہ ہی باز شکار کرنے سے باز آسکتا ہے ۔ گھوڑوں کے رسالہ کی جگہ بیلوں کا

رسالہ تیار کرنا دانشمندی کے خلاف ہے -

غرض چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک کے لئے تمام جانداروں کی نیچر میں ان کے مناسب حال ہدایت کا سامان فراہم کیا گیا ہے - اسی طرح نباتات کے مختلف حصوں میں مختلف ہدایتیں و دیعت کر دی گئی ہیں - کوئی توچارہ پیدا کرتا ہے کوئی غلہ - کوئی پھل، کوئی پھول کوئی جڑی بوٹیاں اور کوئی فرنیچر وغیرہ کے لئے موزوں لکڑی - اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر طبقہ کو پیدا کیا اور ہر طبقہ کو اس کی نشو ونما کے لئے اور کامیابی کے لئے ضروری رہنمائی بھی عطا فرمائی۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کا انکشاف ان لفظوں میں کیا ہے :

رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی

یعنی کائنات کی ہر چیز کو خدا تعالیٰ نے تخلیق کا جامہ پہنایا اور ہر چیز کی طبیعت کے اندر اس کی کامیابی کے لئے مناسب و موزوں ہدایت ودیعت کی - اس عام قانون کی بعض مثالیں بھی قرآن کریم نے بیان کی ہیں - مثلاً

وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا

یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان کے ہر سیارے کو اس کے مناسب

حال وحی کر رکھی ہے - ہر آسمان یعنی فضا کی ہر بلندی کچھ سیاروں اور ستاروں پر مشتمل ہے - یہ سیارے اور ستارے اس حکم الہلی کی پابندی کرتے ہوئے صدھا برکات کی بارش کر رہے ہیں- ورنہ یہ تو بے جان ہیں ان میں نہ ہی قوت ارادی ہے اور نہ ہہ جذبہ خدمت - زمین اپنی زبان حال سے کبھی کبھی نہایت فصاحت سے صورت حال بیان کرتی ہے -

تحدث اخبار ھا بان ربلک اوحی لھا (زلزال ۹۹ آیت ۴-۵)

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا کرنے کے لئے وحی کر رکھی ہے- غرض اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کے ہر ذرہ کو ہدایت فرما رکھی ہے اور اسی وجہ سے دنیا تمام قسم کے مادی فوائد سے مالا مال ہے- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَاءِ اِلٰهٌ وَفِی الْاَرْضِ اِلٰه

یعنی زمین و آسمان کا خدا ایک ہی ہے - اس لئے اس کے قوانین یکساں اور عالمگیر ہیں اور اسی لئے اس دنیا میں ہر طرح کی چہل پہل اور رونق اور رعنائی پائی جاتی ہے -

اس کائنات کا سب سے قیمتی حصہ انسانیت ہے - اس

قیمتی حصہ مخلوق کی نشو و نما اور ربوبیت کے لئے اس نے زمین و آسمان پیدا کئے - اس قیمتی مخلوق کو اپنا خلیفہ بنایا - اس کی فطرت میں نیکی ودیعت کی - جیسا کہ فرمایا :

وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰاهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا

یعنی ہم نے نفس انسانی کی تخلیق کو کمال تک پہنچایا اور اس کی جبلت میں نیکی اور بدی میں تمیز کرنا بھی رکھا - اس کی فطرت میں نیکی ودیعت کی اور اس فطری نیکی کی تربیت و آبیاری کے لئے اپنی جناب سے رسولوں اور انبیاء پر وحی کے رنگ میں ہدایت نازل فرمائی - اس سلسلہ میں وہ فرماتا ہے :

وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ

یعنی صحیح ہدایت کا مہیا کرنا خدا تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے - فرماتا ہے :

فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ -

یعنی خدا تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں نیکی سے محبت کرنا اور بدی سے نفرت کرنا رکھا ہے - یہ فطرت صحیحہ کسی خاص حصۂ انسانیت کا ورثہ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی خاص حصۂ انسانیت اس سے محروم ہے -

جس خدا کے مادی قوانین عالمگیر ہیں اس کے روحانی قوانین بھی ہمہ گیر ہیں

خدا تعالیٰ نے تمام انبیاء کو اصولاً ایک ہی تعلیم وحی کی - فرمایا :

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوا صٰلِحاً - إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ - وَإِنَّ هٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ -

(النساء ۴ آیت ۱۳۰)

یعنی ہر پیغمبر نے یہی تعلیم وتلقین کی کہ تمہارا سب کا دین ایک ہے اور سب کا خدا بھی ایک ہی ہے - تم سب پر واجب ہے کہ اس کی رضا جوئی کے لئے اور اپنی بھلائی کے لئے اپنے دلوں میں اس کا خوف بٹھاؤ تاکہ پاکیزہ زندگی بسر کر

سکو۔ اس کا طریق یہ ہے کہ دیانتداری سے کمائی ہوئی روٹی کھاؤ ، کیونکہ ایسا کرنے سے دل و دماغ میں طہارت پیدا ہوتی ہے اور ایسا کرنے سے نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے۔ اسی اصل الاصول کی مزید تشریح ذیل کی آیت کریمہ میں فرمائی گئی ہے

وللہ ما فی السّمٰوات وَ مَا فی الْاَرض وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَ اِیَّاکُمْ اَن اتَّقُو اللہ (النساء ۴ آیت ۱۳۰)

یعنی جس بادشاہ کے وہ قوانین جو زمین و آسمان میں کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اورعالمگیر ہیں ، اسی بادشاہ کے وہ قوانین جو روحانیت سے تعلق رکھتے ہیں ہمہ گیرہیں۔ چنانچہ محمد رسول اللہ ﷺ سے پیشتر جس قدر انبیاء مبعوث ہوئے وہ سب یہی تلقین کرتے تھے کہ خدا خوفی کی زندگی اختیار کرو اور کامل طور پر بدیوں سے کنارا کشی کرتے ہوئے نیک عملی کی پاکیزہ اور مفید زندگی بسر کرو۔ اس موضوع کو ذیل کی آیت میں بھی بیان فرمایا گیا ہے :

شرع لکم من الّدین مَا وَصّٰی بِہ نُوْحاً وَّالّذِیْ

اَوحَینَا اِلَیکَ وَ مَا وَصَّینَا بِہ اِبرَاھِیمَ وَ مُوسٰی وَ عِیسٰی اَنْ اَقِیمُوا الدِّینَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوا

(الشوریٰ ۴۲ آیت ۱۱)

اے مسلمانو! تمہارے لئے وهی دین مقرر کیا جا رہا ہے جو دین اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کو وصیت کیا تھا اور وهی دین محمد رسول اللہ کو بذریعه وحی تلقین کیا جا رہا ہے اور وهی دین ابراهیم اورموسیٰ اورعیسیٰ کوسکھایا گیا تھا - اس دین پراتفاق رکھواور تفرقه اختیارنه کرو - یقیناً یقیناً قرآن کریم کی یه تعلیم عالمگیر ہے جس سے حضور نبی کریم نے اقوام عالم کو روشناس کرایا اور ان پر واضح کیا که خدا کے دین کے اصول همیشه همیشه ایک هی رہے - اسی ضمن میں مختصر اور جامع الفاظ میں فرمایا :

وَ مَا اَرسَلنَا مِنْ قَبلِکَ رَسُولاً اِلاَّ نُوحِیْ اِلَیہِ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلاَّ اَنَا فَاعبُدُون

(الانبیاء ۲۱ آیات ۲۵)

یعنی حضور نبی کریم سے پیشتر جو بھی پیغمبر مبعوث ہوا اس نے یہی ایک تعلیم دی که خدا واحد و لاشریک ہے - اسی

کی عبادت کرنا اور اس کی فرماں برداری کرنا چاهیے - ان قیمتی نظریات کے بیان کرنے کے بعد ایک اور اهم سبق ذیل کی آیت کریمہ میں دیا :

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَانَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعاً ○ اِلَيْهِ يَصْعَدُ كَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ (فاطر ۳۵ آیت ۱۱)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور عالمگیر اصول بیان فرمایا هے اور وہ یہ هے کہ دنیا میں کون شخص هے جو عزت کی زندگی بسر کرنے کا خواهاں نہیں هے - اس مقصد کے پانے کے لئے یہ امر یاد رکھو کہ عزت خدا تعالیٰ کے هاتھ میں هے - عزت کے حصول کا قانون یہ هے کہ خدا تعالیٰ کے هاں وهی معزز هے جس کے نظریات صحیح اور مفید هوں اور جس کے اعمال ان نظریات کے مطابق هوں - ایسے نظریات خدا تعالیٰ کی جناب میں قبولیت کا شرف حاصل کرتے اور اعمال صالحہ کا یہ اثر هوتا هے :

وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ

کہ وہ بزرگی اور رفعت کے مقام پر پہنچا دیتے هیں - قرب

الہی کے حصول کے لئے اور عزت و عظمت کا مقام حاصل کرنے کے لئے بلند پایہ اعمال اور خدمات عظیمہ کے سوا اور کوئی دوسرا طریق نہیں ہے ۔اس ضمن میں فرمایا :

يُؤْتِ كُلَّ ذِىْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ

یعنی اللہ تعالیٰ اسی کو بزرگی اور رفعت کا مقام عطا فرماتا ہے جو بزرگی کے اعمال بجا لاتا ہے ۔ اس ضمن میں مزید فرمایا :

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا
وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (حم السجدہ ۱۴ آیت ۴۶)

یعنی جو شخص بھی نیک اعمال بجا لاتا ہے اس سے اس کو ور اس کی قوم کو فائدہ پہنچتا ہے اور جو شخص برا کام کرتا ہے اس کا وبال اس پر اور اس کے ہم جنسوں پر پڑتا ہے ۔

وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ

ورنہ خدا تعالیٰ کی ذات ایسی نہیں کہ وہ اپنے بندوں پر ظلم کرے ۔ اور فرمایا :

كَذَالِكَ يُوْحِىْ اِلَيْكَ وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ

اللهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الشوریٰ ۴۲ آیت ۲)

یعنی وہ اصول دین جو محمد رسول پر وحی ہوئے وہی ان کے پیشرو انبیاء پر نازل ہوئے تھے - یعنی خدا تعالیٰ کی روحانی تعلیمات ہمیشہ یکساں رہیں - دین ایک ہی رہا لیکن شریعت اور عبادت کے طریق حالات کے مناسب حال مختلف رہے -

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجاً

اور فرمایا :

لکل جعلنا منسکا ھم نا سکوہ

رسومات و عبادت کے طریقوں میں اختلاف ضرور مشاھدہ میں آتا ہے لیکن حقیقت دین ہمیشہ ہمیشہ ایک ہی رہی - ھاں ایسا ضرور ھوا کہ بعض لوگوں نے غلطی سے رسومات کو ہی دین سمجھ لیا -

تمام قوموں میں نیک لوگ پائے جاتے ھیں

یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ خدا تعالیٰ نے ھر زمانہ میں اپنے پیغمبر مبعوث فرما کر اپنی مخلوق کو صحیح راستہ

پر چلنے کی تلقین فرمائی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہر قوم میں خدا تعالیٰ کے نیک اور صالح بندے پیدا ہوئے۔ قرآن کریم اس حقیقت کو اس لئے بیان فرماتا ہے تا کہ دلوں میں وسعت پیدا ہو اور تعصب کی تاریکی دور ہو جائے۔ فرمایا:

اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَّ نُور

(المائدہ ۵ آیت ۴۸)

یعنی حضرت موسیٰ پر ہم نے تورات نازل فرمائی اور اس میں اس قوم کی رہنمائی کے لئے ہدایت کی نشان دہی کی اور اس طریق پر چلنے کے لئے روشنی بھی عطا کی لیکن جہاں قوم کا ایک حصہ اس سے مستفیض ہوا وہاں ایک حصے نے لاپرواہی کرکے اسے پس پشت ڈال دیا اور بجائے اس کے کہ وہ احکام الٰہی کی پابندی کرتے ان کی خلاف ورزی کرنا اپنا وطیرہ بنا لیا۔ اول الذکر کو خدا تعالیٰ صالحین کے معزز لفظ سے یاد کرتا ہے اور مؤخرین کو فاسقین کے رسوا کن لفظ سے۔ اسی موضوع کی مزید تاکید یوں فرمائی:

لَيْسُوا سَوَاءً مِنْهُم اُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُوْنَ اٰيَاتِه

آنَاءَ اللَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ هُمْ یَسْجُدُونَ یَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ اُولٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِیْنَ - (آل عمران ۳ آیت ۱۰۹)

یعنی سب لوگوں کو برا کہنا مناسب نہیں ہوتا جبکہ ان میں وہ لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو احکام الٰہی پر مضبوطی سے کار بند رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام رات کے اوقات میں پڑھتے اور اس کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں ۔ وہ لوگ خود بھی نیک ہیں اور دوسروں کو نیکی کی زندگی اختیار کرنے کی تاکید کرتے ہیں اور بدیوں سے بچنے کا حکم دیتے ہیں ۔ ایسے لوگوں کا شمار زمرۂ صالحین میں ہے اور اسی آیت کریمہ کے اگلے الفاظ یہ ہیں ۔

یُسَارِعُونَ فِی الْخَیْرَاتِ

یعنی وہ مستعدی سے اور مداومت سے نیکی کے اعمال بجا لاتے ہیں اور ان کے متعلق فرمایا :

وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ

ایسے نکو کار بندوں سے خدا محبت رکھتا ہے - مذکورہ بالا آیات میں یہودیوں کی تعریف کی گئی ہے - اسی طرح سے حضرت عیسیٰ کی تعلیم اور اس سے مستفیض ہونے والے عیسائیوں کا ذکر کیا ہے - فرمایا :

وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ فِیْهِ هُدًی وَّنُوْرٌ

یعنی ہم نے حضرت عیسیٰ پر انجیل اوتاری جس میں ہدایت اور روشنی مہیا کی گئی ہے - جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کی پابندی کی وہ قابل ستائش ٹھیرے - چنانچہ اس کے متعلق فرمایا :

وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً وَّرَهْبَانِیَّةَنِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَایَتِهَا فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ (الحدید ۵۷ آیت ۲۷) -

اس آیت کریمہ میں عیسائیوں کی بے حد تعریف کی

گئی ہے - فرمایا ان کے دل میں نہایت درجہ کا رحم و کرم ہے - اس لئے ان کے ایماندار لوگوں کے لئے اجر ہے یعنی ان کے اعمال بار آور ہوں گے اور اسی طرح سے وہ لوگ جو احکام الٰہی کی پابندی نہیں کرتے قابل مواخذہ ٹھیریں گے اور ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ ہے - رہی ان کی رہبانیت - اگرچہ یہ طرز عبادت انہوں نے کسی حکم الٰہی کی بناء پر اختیار نہ کی تھی تاہم ایسا کرنے میں رضا الٰہی ان کے پیش نظر تھی مگر اس کو صحیح طریق پر نہ چلایا گیا - اس لئے رہبانیت ان کے لئے اخلاقی نقصانات کا باعث بن گئی - اس ضمن میں حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے فرمایا لا رھبا نیۃ فی الاسلام - اسلام اسی قسم کی تعلیم نہیں دیتا کہ انسان خدا کو پانے کے لئے تارک الدنیا ہو کر کسی علیحدہ جگہ پر جاگزین ہو جائے - اسلام کی یہ تعلیم بھی دنیا بھر کی اقوام کی صحیح رہنمائی کرتی ہے - اکثر قوموں میں خدا کو پانے کے لئے یہ غیر فطری طریقہ پایا جاتا ہے کہ انسان دنیا سے اپنے تعلقات منقطع کر لے - ہندوؤں کے سادھو اور بدھ کے بھکشو و رومن کیتھلک مذہب کے monks اور ان کی nuns لاکھوں کی تعداد میں اس قسم کی زندگی بسر کر رہے ہیں- اس

قسم کی زندگی نہ ہی مرد کے لئے مفید ہے اور نہ ہی عورت کے لئے دونوں زندگی کے فطری اور طبعی تقاضے پورا کرنے سے محروم ہو جاتے ہیں ۔ حضور نبی کریم صلی الیہ علیہ وسلم نے جو تمام قوموں کی رہنمائی کے لئے مبعوث کئے گئے تھے اس غلط روش زندگی کی اصلاح کی طرف توجہ دی اور اس کی اصلاح فرما دی ۔ اور اسی طرح فرمایا :

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحاً وَّ اِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِىْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُهْتَدٍ وَ كَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ (الحدید ۲۷ آیت ۲)

اس آیت کریمہ میں اس امر کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ حصرت نوح اور حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد کو اللہ تعالیٰ نے نبوت اور کتاب الہی عطا کی تھی جس کی برکت سے ان میں سے وہ بھی ہوئے جو راہ راست پر چلنے والے نکلے لیکن ان کے اکثر نافرمان ثابت ہوئے ۔ پھر ان قوموں کی رہنمائی کے پیش نظر پے درپے انبیاء بھیجے گئے ۔ جن کے سلسلہ کی آخری کڑی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے جن کا حال ابھی بیان ہوا ہے ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین کی جہاں

بے حد تعریف کی گئی ہے وہاں ان کی رہبانیت کے دونوں
پہلو بیان کر دیے گئے ہیں کہ اگرچہ ان کا تارک الدنیا
ہونا خدا کے کسی حکم کی بناء پر نہ تھا تاہم انہوں نے
اس کو رضا الٰہی کے حصول کا ذریعہ سمجھ کر اختیار کیا
تھا لیکن ان کا یہ طریق قوم کے لئے مفید ثابت نہ ہوا ۔
مذکورہ بالا بیانات سے یہ حقیقت نمایاں طور پر ظاہر ہو جاتی
ہے کہ تمام کی تمام قوموں میں خدا کے نیک بندے ہوتے
ہیں اور یہ امر بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام حقیقت شناسی
کی تعلیم دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ دوسروں کی حق بات کا
اعتراف کرنے کی عادت ڈالی جائے اور یہ بھی ضروری سمجھتا
ہے کہ اس کی اصلاح کے پیش نظر اس پر اس کی غلطی
واضح کر دی جائے ۔

اس سلسلہ میں کچھ مزید حقائق قابل ذکر ہیں ۔

فرمایا :

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰی اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ
یَعْدِلُوْنَ ۔ (الاعراف ۔ آیت ۱۵۹)

یعنی حضرت موسیٰ کی قوم میں حقیقت پسند اور حق کی تعلیم

دینے والے اور عدل و انصاف سے کام لینے والے لوگ موجود ہیں - یہ آیت بھی دوسری آیات کی طرح اس امر کی تلقین کرتی ہے کہ دوسرے مذہب کے پیرووں کے نیک اعمال کا اعتراف کرنا چاہئے - ایسا کرنے سے قوموں کے درمیان محبت پیدا ہوتی ہے اور منافرت ختم ہو جاتی ہے -

اسی مضمون کی ایک اور آیت کریمہ درج کی جاتی ہے جو یہ اعلان کرتی ہے کہ نہ صرف یہودیوں اور عیسائیوں ہی میں نیک کردار لوگ پائے جاتے ہیں بلکہ ساری انسانیت کا یہی حال ہے یعنی ہر وطن اور ہر قوم کے درمیان نیک سیرت اور حق پرست اور منصف مزاج لوگ موجود ہیں - وہ آیت کریمہ جو اس اہم اور مفید تعلیم کی حامل ہے یہ ہے

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ (الاعراف ۔ آیت ۱۸۱)

یعنی ہماری پیدا کردہ مخلوق کے درمیان ہر جگہ ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو حق کی تلقین کرتے ہیں اور حق کے ساتھ عدل و انصاف انجام دیتے ہیں - مذکورہ بالا آیات نہایت

وضاحت کے ساتھ ثابت کرتی ہیں کہ قرآن کریم عالمگیر تعلیمات کا حامل ہے اور اس بات کو منواتا ہے کہ تمام کی تمام انسانیت میں اہل حق اور اہل دل لوگ پائے جاتے ہیں۔ یہ وہ قیمتی اصول ہے جو دل کی تنگیاں دور کرتا اور قوموں کے درمیان باہمی یگانگت و محبت کا رابطہ پیدا کرتا ہے۔

حق پرستی اور نیکی کسی کی رشتہ داری پر موقوف نہیں

حق پرستی حق پرستی ہے، جہاں کہیں بھی پائی جائے۔ دیانت داری دیانتدای ہے، جہاں کہیں بھی عمل میں آئے اور یہی حال بدکرداری اور بد عنوانی کا ہے۔ اگر پیغمبروں کے رشتہ دار نابکار ثابت ہوں تو وہ سزا یاب ہوں گے اور اگر فرعون ایسے دشمن خدا اور دشمن مخلوق کے رشتہ داروں میں نیکی پائی جائے تو ان کی نیکی کا اعتراف کیا جائے گا اور اس کی قدر دانی کی جائے گی۔ اس باب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ

خدا اور اس کے پیغمبروں کے انکار کرنے والوں کی تنبیه کے لئے حضرت نوح اور حضرت لوط کی بیویوں کی مثال بیان کی جاتی ہے کہ وہ نالائق ثابت ہوئیں اور اس لئے مستوجب سزا ٹھہریں - یہ امر کہ ان کو بزرگ ہستیوں کا قرب حاصل تھا ان بیبیوں کی رست گاری کا وسیلہ نہ بن سکا - اس کے مقابل میں فرعون جس کے ظلم و تعدی کی کچھ انتہا نہ تھی اس کی بی بی کا ذکر کر کے واضح کیا کہ فرعون جیسے متمرد ' سرکش و ظالم بادشاہ کی بی بی اپنے نظریات اور اعمال کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی نگاہ میں قابل عزت ٹھہری -

حضرت مریم کی بریت اور ان کی حقیقی تعریف

یہودی حضرت مریم پر بہتان باندھتے تھے - رسول کریم ﷺ نے ان کے الزامات کو بے بنیاد قرار دیا اور اتنے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ حضرت مریم علیہا السلام کو ایک خدا رسیدہ خاتون ثابت کیا اور فرمایا :

اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰکِ

خدا تعالیٰ حضرت مریم کو پاکیزہ خصلت ٹھہرا کر بیان

فرماتا ہے کہ ان کو ایک اعلیٰ مقصد کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔ چنانچہ فرماتا ہے:

وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَاءِ الْعَالَمِيْنَ

یعنی اس وقت کی تمام عورتوں پر حضرت مریم کو فضیلت عطا کی گئی تھی اور اسی لئے ان کو منتخب کیا گیا تھا اور ان کی نسبت فرمایا وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ یعنی حضرت عیسیٰ کی والدہ محترمہ مریم نہایت راست باز تھیں۔ حضرت مریم اور فرعون کی بی بی کا ذکر اور حضرت نوح اور حضرت لوط کی بیبیوں کے ذکر کو ایک ساتھ اکٹھا کرکے اہل دنیا کی بصیرت میں اضافہ فرمایا کہ حق پرستی اور نیکی کسی کی رشتہ داری پر منحصر نہیں۔ حق پرستی حق پرستی ہی قرار دی جائے گی جہاں کہیں بھی ہو اور نیکی کی ضرور قدردانی ہوگی جہاں بھی وہ موجود ہو اور اس کے بر عکس اگر بد کرداری کسی بڑی سے بڑی شخصیت کے خاندان میں ظہور میں آئے گی تو وہ مستوجب سزا قرار دی جائے گی۔ یہ قانون ثابت کرتا ہے کہ خدا رب العالمین ہے۔ جس طرح اس کے قوانین مادی دنیا کے لئے یکساں ہیں اسی طرح

سے اس کے روحانی قوانین بھی یکساں اور ہمہ گیر ہیں - یہاں حضرت ابراہیم کا اور ان کی اولاد کا ذکر کر دینا نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ جن لوگوں کو یہ فخر ہے کہ ہم حضرت ابراہیم کی اولاد ہونے کی وجہ سے خدا کے پیارے ہیں اور ان سے کسی قسم کا مواخذہ نہ کیا جائے گا - ان کے لئے قرآن شریف میں ذیل کا مفید تذکرہ درج ہے -

وَ اِذَا بْتَلٰی اِبْرَاهِیْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمَاتٍ فَاَتَمَّهُنَّ

یعنی جب حضرت ابراہیم کا چند معاملات میں امتحان ہوا اور ان میں حضرت ابراہیم نے کمال کر دکھایا تو اس پر ان کو یہ انعام ملا :

اِنِّی جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَاماً

یعنی ہم آپ کو لوگوں کا راہنما بناتے ہیں - اس موقعہ پر حضرت ابراہیم نے اپنی اولاد کی فکر کی اور عرض کیا :

وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ

کیا میری اولاد بھی اس انعام کی وارث ہوگی اس پر اللہ تعالیٰ نے ایک ہمہ گیر اصول بیان فرمایا :

لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰالِمِینَ

یعنی کسی بزرگ کی اولاد ہونا ان کو خدا تعالیٰ کی نعماء کا وارث نہیں بناتا - بزرگوں کی اولاد اگر بد عمل ہوگی تو وہ عنایات الٰہی سے محروم ہو جائے گی - اس لئے اس قسم کا خیال کہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں، ہم پر دوزخ کی آگ حرام ہے اور اسی بناء پر ہم جنت کے وارث ہیں یعنی عمل بد کے مکافات سے ہم محفوظ ہیں اور مورث اعلیٰ کی اولاد ہونا ہمیں تمام قسم کے افضال و برکات کا مستحق بنا دیتا ہے - حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس خطرناک غلطی سے نکالا ہے اور ان کے لئے صحیح معرفت فراہم فرمائی -

قرب الٰہی کا راستہ

اس کائنات کا خالق و مالک ایک ہے - اس لئے اس نظام کے ہر طبقہ میں اس کے جاری کردہ قوانین میں ہم آہنگی نظر آتی ہے - اس ہم آہنگی کے باعث برکات ارضی و سماوی مشاہدہ میں آ رہی ہیں - ایسے قادر مطلق علیم و حکیم خدا کی شان یہی ہونی چاہئے کہ اس کے قرب کے حصول کی راہیں اس

کی کائنات کے قوانین کے ساتھ مطابقت رکھتی ہوں اور ہمہ گیر ہوں۔ حیوانات کی زندگی اور ان کی نشوونما اور تربیت کا جو قاعدہ اور قانون امریکہ میں جاری و ساری ہے بالکل وہی افریقہ میں اور بالکل وہی قانون یورپ میں اور ایشیا میں کام کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اسی طرح سے نباتات کی نشو و نما کے لئے جو قوانین اللہ تعالیٰ نے تجویز کئے ہوئے ہیں وہ دنیا کے تمام کے تمام خطوں میں یکساں طور پر مصروف عمل ہیں۔ برازیل کے کیڑے مکوڑوں میں جو قانون کام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ بالکل وہی قانون بنگال کے کیڑے مکوڑوں میں جاری و ساری ہے۔ یہ یکسانیت و ہم آہنگی دلالت کرتی ہے اس حقیقت پر کہ اس کائنات کا نظام ایک ہی بادشاہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ فرمان روا ان تمام علوم کا سرچشمہ ہے جو اس کی مخلوقات کے ہر طبقہ میں مشاہدہ کئے جاتے ہیں انسان بھی اسی کائنات کا ایک حصہ ہے۔ انسان کے جسم میں اس کا قلب اور روح بھی ہے اور اسی کی وجہ سے وہ انسان کہلاتا ہے اور اسی کی وجہ سے وہ کائنات کا نہایت ہی اہم حصہ ہے۔ انسان کی جسمانی اور ذہنی استعدادوں اور صلاحیتوں کی تربیت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے قوانین جاری کر رکھے

ھیں جو تمام بنی نوع آدم کے لئے یکساں طور پر مفید ھوں۔ اس امر کے پیش نظر ضرور ھے کہ انسانیت کے روحانی قویٰ کی تربیت کے لئے بھی خدا تعالیٰ نے صرف ایک ھی قانون جاری فرمایا ھو اور ضرور ھے کہ اس نے اپنے قرب کے حصول کی راہ ایسی تجویز کی ھو جس پر ساری کی ساری انسانیت گامزن ھو سکتی ھو۔ قرآن کریم ایسی ھی راہ مستقیم کی نشان دھی کرتا ھے۔ اس میں لکھا ھے:

لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ

اے مسلمانو! تمھاری خواھشات کے مطابق ھمارا قانون قرب و فلاح کام نہیں کرتا:

وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ

اور نہ ھی ھمارا یہ قانون کسی اھل کتاب کی آرزوؤں کے موافق کارفرما ھے۔ ھمارا قانون معقول ھے اور سب کے لئے ایک ھی ھے اور وہ یہ ھے

مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ

جو شخص بھی بدی کا ارتکاب کرتا ھے وہ سزا پا جاتا ھے۔ ھمارا یہ قانون کسی نسل یا ذات یا رتبہ یا اقتدار کو خاطر

میں نہیں لاتا ۔ مشرق کی اقوام ہوں یا مغرب کی مسلمان ہوں یا یہودی یا نصرانی یا ہندو غرض کسے باشد کوئی شخص اس قانون کی زد سے بچ نہیں سکتا ۔ بد دیانت انسان اپنی عزت و شہرت گنوا لیتا ہے ۔ ظالم انسان بہت سے لوگوں کو اپنے بر خلاف کر لیتا ہے ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اور اس کے معاون لوگ بری طرح موت کے گھاٹ اتار دئے جاتے ہیں ۔ ایسے شخص کو سزا دینے والے لوگ اس کی نسل ، اس کے اقتدار وغیرہ کا لحاظ نہیں کرتے لیکن اس کے بر عکس وہ لوگ جو مخلوق خدا کی بے لوث خدمت کرتے ہوں اور اس جذبہ کے ماتحت اپنی توجہ اور اپنا مال مخلوق خدا کی بہبود کے لئے صرف کرتے رہتے ہوں ان کی قدر و منزلت دلوں میں گھر کر لیتی ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا

یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا کر دیتا ہے ۔ اس حقیقت کا اظہار اللہ تعالیٰ نے مختصر لیکن جامع الفاظ میں یوں بھی فرمایا ہے :

مَنْ يَعْمَلْ سُوْءً يُجْزَ بِهٖ وَ مَنْ يَعْمَلْ مِنَ

الصّالحٰت من ذكرٍ او انثٰی و ھو مؤمن فلا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون

بدی سزا کو پیدا کرتی ہے اور نیکی کرنے والا مرد ھو یا عورت نیکی اس کے دل کے چین کا اور قلب کے اطمینان کا کا سوجب بنتی ہے - ظاھر ہے یہ قانون عالمگیر ہے -

وَ للہ الحمد ربّ السمٰوات و ربّ الارض و ربّ العالمین

تمام حمد و ثناء اللہ تعالیٰ کے لئے سزا وار ہے جو اھل سماء اور اھل زمین کا رب ہے اور وھی ساری قوموں کا رب ہے یعنی اس کے جاری کردہ قوانین میں ھمہ گیری پائی جاتی ہے - اسی حقیقت کو ایک دوسری آیت کریمہ نہایت دلکش انداز میں یوں بیان کرتی ہے :

مَن عمل صالحاً من ذکراً و انثٰی و ھو مؤمن فلنحیینہ حیوۃً طیبۃً (النحل ۱۶ آیت ۹۹)

مرد ھو یا عورت جس کے اعمال کے اندر صلاحیت ھو اور جس کے اعمال بگاڑ و فساد سے پاک ھوں ان کی زندگی پرلطف

بنا دی جاتی ہے - یہ قانون بھی ہمہ‌گیر ہے - جس شخص کے معاملات میں خدا خوفی ہوگی ضرور ہے کہ اس کی زندگی پر لطف ہو اور ضرور ہے کہ اس کا دل مطمئن و مسرور ہو- اور ضرور ہے کہ خدا اور خدا کی مخلوقات کی نگاہوں میں اس کا مرتبہ اور مقام بلند ہو اور ضرور ہے کہ وہ خدا کا اور خدا کی مخلوق کا محبوب بن جائے - اسی موضوع کی ایک اور آیت کریمہ ہے جو بصیرت افروز ہے :

اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ - (الانفال ۸ آیت ۲۴)

یعنی وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کی پر حکمت تعلیمات پر مستعدی سے عمل کرتے ہیں ان کی زندگی پر لطف کر دی جاتی ہے - نیک عملی کی زندگی قلب و روح میں انبساط پیدا کرنے کا موجب بنتی ہے - صلاحیت کے اعمال قلب میں تفریح اور تقویت پیدا کرتے ہیں اور اس میں جلا پیدا کرنے کا موجب ہوتے ہیں - اس سلسلہ میں مکرر فرمایا :

اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ

يَحْزَنُوْنَ ۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوا يَتَّقُوْنَ ۔

(یونس ۱۰ آیت ۶۳)

انسان اپنے اندر طہارت پیدا کرنے سے خدا کے قریب ہو جاتا ہے اور خدا اس کا دوست بن جاتا ہے اور خدا اس کے ساتھ دوستانہ سلوک کرتا ہے اور خدا تعالیٰ اس کو حزن و غم سے نجات عطا کر دیتا ہے ۔ یہ حالت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب یہ حالت میسر آ جاتی ہو جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے :

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْن ۔

یعنی جب انسان کا دل نور ایمان سے منور ہو جاتا ہے ۔ تو وہ نیکی سے محبت کرتا اور بدی سے نفرت کرتا ہے ۔ ایسا کرنے سے جب اس کے دل کا صحن خانہ تمام قسم کے گندوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے تو ایسے صحن خانہ میں خدا تعالیٰ کا نزول ہوتا ہے اور یہی انسانی زندگی کا معراج ہے :

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتَابِ ۔

یہودیوں کا یہ عقیدہ کہ جنت صرف ہمارے لئے ہے ۔ کیونکہ ہم ہی خدا کی پیاری قوم ہیں اپنے اندر نہ ہی کوئی معقولیت

رکھتا ہے اور نہ ہی کوئی افادیت - اسی طرح سے عیسائیوں کا یہ اعتقاد کہ نجات کا انحصار صرف حضرت عیسیٰ کے مصلوب ہونے پر ہے حقیقت و معقولیت سے خالی ہے - ان دونوں قوموں کے عقیدہ کا ذکر قرآن کریم نے ان الفاظ میں کیا ہے :

وَقَالُوْا لَنْ يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصَارٰى -

یعنی یہود کا ایمان ہے کہ جو کوئی بھی یہودی النسل نہیں وہ جنت میں نہ جانے پائے گا جیسا کہ یوحنا کی انجیل کے باب ۴ آیت ۲۲ میں درج ہے کہ نجات یہودیوں کی ہے اور نصرانی کہتے ہیں جو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کفارہ پر ایمان نہیں لاتا وہ کسی صورت میں جنت میں داخل نہ ہوگا - اسی قسم کا اعتقاد ہندوؤں کا بھی ہے - وہ تو برھما ورتی کے باھر رھنے والی تمام قوموں کو ملیچھ یقین کرتے ھیں - ان کے خیال میں صرف ان کا ھی وطن برھما کا دیش ہے اور ھندو قوم خدا کے دیش میں سکونت پذیر ہے اور صرف وھی قوم خدا کی برکات کی وارث ہے - جیسا کہ پہلے بھی بیان

ہو چکا ہے قرآن کریم ایسے خیالات کو محض امانی یعنی آرزوؤں کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے - فرمایا :

تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ

یہ تو صرف ان کی آرزوئیں ہیں جن میں کوئی حقیقت نہیں پائی جاتی - فرمایا :

هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

یعنی اپنی ان آرزوؤں کے درست ہونے پر کوئی دلیل لاؤ ورنہ ایسی بے حقیقت آرزوئیں مسلمان کی ہوں یا کسی اہل کتاب کی ہوں اس پر خدا تعالیٰ کے قرب کے حصول کا مدار رکھنا غیر معقول ہے - خدا تعالیٰ کا قرب اعلیٰ درجے کے نظریات اور مفید اعمال کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ محض آرزوؤں سے - فرمایا :

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ - (فاطر ۳۵ آیت ۱۱)

پاکیزہ اور معقول نظریات خدا کے ہاں مقبولیت کا شرف پاتے ہیں اور اعمال صالح انسان کے مراتب بلند کرتے ہیں -

قرب الٰہی کے حصول کے لئے قرآن کریم نے مذکورہ بالا ہدایات کے علاوہ ایک اور اعلان بھی کر رکھا ہے جو نہایت جامع ہے اور جو انسان کے دل کی آواز نظر آتا ہے۔ اس کے یہ الفاظ ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ

(النحل ۱۶ آیت ۱۲۸)

یعنی خدا تعالیٰ کی معیت ان لوگوں کو نصیب ہوگی جو خدا خوف ہوں اور ان لوگوں کو خدا تعالیٰ کی معیت نصیب ہوگی جو خدا کی مخلوق پر احسان کرتے ہوں۔ ایسے لوگوں کے حق میں فرمایا:

ان اللّٰہ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ

یعنی خدا ایسے نکوکار اشخاص سے محبت رکھتا ہے۔ یہ بھی فرمایا:

ان اللّٰہ یحب المحسنین

یعنی اللّٰہ تعالیٰ جس طرح خدا خوف لوگوں سے پیار کرتا ہے اسی طرح ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو مخلوق کے لئے نفع رساں ہوں۔ یہ اعلان مختصر ہونے کے باوجود کس قدر دل

ربا اور کس قدر ہمہ گیر ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس قابل قدر نظریے کو اپنے الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے:

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِیَ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ کَانُوا حَیْثُ کَانُوا

یعنی میرے قریبی تو وہی لوگ ہیں جو خدا خوف ہوں چاہے وہ کسی قوم کے ہوں اور خواہ وہ کسی وطن کے ہوں۔ وہ جو اس اصول کے پابند نہ ہوں وہ جماعت مسلمین میں شامل ہونے کے باوجود بھی میرے قریبی نہیں ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا اور اس کا رسول حقیقت پسند ہیں۔ خدا کے ساتھ تعلق صرف اس شخص کو میسر آسکتا ہے جو خدا ترس ہو اور وہ نافع الناس ہو اور رسول کریم ﷺ کے ساتھ اسی کا حقیقی تعلق ہوگا۔ جو معاملات میں ثابت کر دکھائے کہ وہ خدا خوف اور نکوکار ہے۔

صبغۃ اللہ

فرمایا خدا سے تعلق لگانا چاہتے ہو تو خدا کے ساتھ نسبت پیدا کرو اور یہ اس طرح میسر آتا ہے کہ خدا کی صفات کا رنگ اپنے اوپر چڑھاؤ۔ وہ قدوس ہے تو اپنے تیئں تمام قسم کی ظاہری و باطنی میل کچیل سے پاک کرو۔ تم کو جب تک کامل طہارت و تزکیہ نفس حاصل نہ ہوگا۔ اس

وقت تک خدا کے ساتھ تمھارا تعلق پیدا نہ ھوسکے گا - جو لوگ بادشاھوں کے دربار میں شریک ھوتے ھیں - وہ اس پوشاک سے اپنے تئیں آراستہ کرتے ھیں جو بادشاہ کی مرضی کے موافق ھو اور اٹھنے بیٹھنے اور طرز گفتگو میں بادشاھوں کی خوشنودی ملحوظ رکھتے ھیں - جب وہ دربار سے فارغ ھو جاتے ھیں تو اپنے گھر میں اور گھر کے باھر ھر مجلس میں ایسی طرز اختیار کرتے ھیں جس سے وہ اپنے فرمان روا کے وفادار ثابت ھوں اور وہ ایسی محتاط زندگی بسر کرتے ھیں کہ ان کے متعلق کسی قسم کی بے وفائی یا غداری یا نافرمانی کا شبہ تک نہ کیا جا سکے - اسی طرح مردان خدا خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے لئے کامل طہارت حاصل کرنے کی طرف توجہ دیتے ھیں -

رِجَالٌ یُحِبُّونَ اَنْ یَتَطَهَّرُوا

مردان خدا کو یہ فکر رھتی ھے کہ وہ اپنے تئیں حرص و ھوا سے پاک رکھیں - وہ بغض و کینہ سے کنارہ کش رھیں - وہ دشمنی و عداوت کو اپنے دل میں جگہ نہ دیں - غرض وہ تمام قسم کی صفات مذمومہ و خصائل قبیحہ سے بکلی اجتناب کرتے ھیں - وہ خدا کی محبت اور مخلوق کی

بہبود کے لئے اپنے دلوں میں خلوص بھری تڑپ رکھتے ھیں ۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو مخاطب کرکے فرمایا :

اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم

یعنی آپ اخلاق فاضلہ پر متمکن ھیں اور آپ کے دل میں جہاں خدا تعالیٰ کی عظمت جاں گزیں ھے وھاں مخلوق خدا کی خدمت کا جذبہ بھی موجزن ھے ۔ فرمایا :

عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ

وہ امر جو آپ کی تکلیف کا باعث ھے وہ حضور پر گراں گزرتا ھے اور ان کو چین نہیں پڑتا جب تک آپ کی تکلیف کو دور نہ کر لیں ۔ اور فرمایا :

حریص علیکم

اسی طرح وہ تمھاری بہبود کے لئے بھی تڑپ رکھتے ھیں ۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ اَنْ لَا یَکُوْنُوا مُؤْمِنِیْنَ

یعنی تمھیں اپنے قیمتی نظریات سے متعارف کرانے کے لئے اپنی جان کو کھپاتے ھیں اور ستار غفار خدا کی صفت سے متصف ھو کر تمھاری خطاوں اور تمھارے سنگین جرموں تک

کو معاف کر دیتے ہیں ۔ مختصراً یہ کہ خدا سے تعلق پیدا کرنے کے لئے خدا کی صفات سے اپنے تئیں متصف کرو ۔ جو لوگ صبغه الله کی تعلیم سے فائدہ اٹھاتے ہیں وہ مہا پرش بن جاتے اور مخلوق خدا کے لئے با برکت ثابت ہوتے ہیں اور وہ انسانیت کے لئے خدا نما بن جاتے ہیں ۔ صبغه الله یعنی خدا کا رنگ اختیار کرنا انسان کی ترقی کی سب سے اونچی اور اس کے ارتقا کی آخری منزل ہے ۔ حضور نبی کریم صلی الله علیه وسلم صبغه الله کے رنگ سے کامل طور پر رنگین تھے ۔ ان کے نظریات ان کے اعمال و اخلاق انسانوں کے لئے کامل نمونہ تھے ۔ حضور علیه الصلوٰۃ والسلام نے اس سبق کو ان الفاظ میں دہرایا ہے :

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللهِ

یعنی اپنے تئیں خدا تعالیٰ کے صفات سے آراستہ کرو ۔ ظاہر ہے کہ یہ تعلیم Ideal ہے جس کے آگے روحانی ارتقاء کی کوئی منزل نہیں ہے ۔

الانبیاء اخوۃٌ

جس طرح حضور نے قوموں کو متحد کرنے کے غرض

سے فرمایا :

انَّ ربکم واحدٌ و انَّ اَباکُم واحدٌ

اور فرمایا :

اَلْمَخْلُوقُ عَیَالُ اللہ

یعنی دنیا بھر کی قومیں خدا تعالیٰ کا وسیع کنبہ ھیں ۔ اسی طرح سے حضور نبی کریم نے فرمایا :

الانبیاء اخوۃٌ

تمام قوموں کے انبیاء بھائی بھائی ھیں ۔

من علّات اُمّھاتُھم شتّٰی و دینُھم وَاحدٌ

وہ علاتی امہات کی اولاد ھیں ۔ اگرچہ ان کو جنم دینے والی مختلف ھیں لیکن ان کا دین ایک ھی ھے ۔ یہ وہ تعلیم ھے جس کے باعث دلوں میں محبت و اتحاد کا جذبہ پیدا ھوتا ھے اور جس کی برکت سے دلوں کی کدورتیں دور ھو جاتی ھیں ۔ اور تعصبات ختم ھو جاتے ھیں ۔ قوموں کے انبیاء کی تعظیم و تکریم کرنے پر حضور علیہ السلام نے بہت زور دیا ھے ۔ وہ فرماتے ھیں صرف مجھے نبی مان لینے سے خدا رب العالمین ثابت نہیں ھوتا ۔ خدا تعالیٰ اسی صورت میں رب العالمین ٹھیرتا

ہے جب یہ تسلیم کیا جائے کہ وہ تمام اقوام کی تعلیم و تربیت کے لئے انبیاء بھیجتا رہا ہے - جس طرح اس کی بارش قوموں کو زندہ رکھنے کے لیے سب پر اترتی ہے اسی طرح اس کی روحانی بارش بھی سب قوموں پر نازل ہوتی ہے - چنانچہ فرمایا :

وَلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ

ہر قوم کے لئے ہادی ہوا ہے اور فرمایا خود میں بھی تمام قوموں کے انبیاء پر ایمان لاتا ہوں اور میرے متبعین بھی تمام انبیاء پر ایمان لاتے ہیں اور ہم کسی ایک نبی کا انکار کرنا بھی ناجائز سمجھتے ہیں - اس اہم تعلیم پر زور دینے کے لئے قرآن کریم کا ایک باب یعنی ایک سورت انبیاء کے ذکر کے لئے مختص کر دی گئی ہے - یوں تو انبیاء کا ذکر بار بار مختلف سورتوں میں آیا ہے تاہم ایک سورت کو ان کے ذکر کے لئے خاص کر دینا ان کی قدر و منزلت میں اضافہ کرتا ہے اور تمام قوموں کے انبیاء کی تعظیم کرنا خود ان قوموں کی تعظیم کرنا ہے اور ان کو محبت کا پیغام دینا ہے - سورۃ الانبیاء میں پیغمبروں کے کارنامے مذکور ہیں اور ان کے معارف عالیہ اور

ان کے مراتب عظیمہ کی تفصیلات کا تذکرہ ہے - ایسا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تمام انسانوں کو اس قسم کے معتقدات اختیار کرنے چاہیں تاکہ ان کو کامل ایمان میسر آئے، تاکہ دلوں میں وسعت پیدا ہو اور قوموں کے اندر حقیقی محبت و اخلاص کے جذبات پیدا ہوں -

انبیاء معصوم ہیں

حضور رسول کریم نے انبیاء کی تعظیم و تکریم کرکے اور ان کی رسالت پر ایمان لا کر قوموں کے اتحاد کی حقیقی اور مضبوط بنیاد استوار کی ہے - اس کے علاوہ ان پیغمبروں کی بریت کرکے جن پر ان کی قوم نے یا ان کے مخالفین نے الزام لگائے ہیں اس امر کا ثبوت دیا ہے کہ حضور علیہ السلام اپنے اس اعلان میں صادق القول ہیں کہ الانبیاء اخوۃ کیونکہ وہ اپنے بھائی پیغمبروں کی حمایت کے لئے کمر بستہ نظر آتے ہیں - حضور کے ایسا کرنے سے ان پیغمبروں کی قوموں کے دلوں کے اندر خلوص بھرا جذبہ محبت پیدا ہو سکتا ہے -

ذیل میں بعض الزامات کا اور ان کے دفاع کا ذکر کیا جاتا ھے

تورات میں حضرت اسماعیل کی نسبت لکھا ھے کہ وہ ایک وحشی انسان تھے - اس الزام کو قرآن کریم یوں رد کرتا ھے :

وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِدْرِیْسَ وَ ذَا الْکِفْلِ کُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ

سورۃ الانبیاء ۲۱ آیت ۸۵

یعنی اسماعیل اور ادریس اور ذالکفل صالح بزرگ تھے ان کے اعتقادات و اعمال میں ھر قسم کی صلاحیت پائی جاتی تھی - اس لئے ان کی طرف کسی قسم کی بد تہذیبی منسوب نہیں کی جا سکتی -

حضرت سلیمان کی بابت تورات میں لکھا ھے - جب وہ بوڑھے ھو گئے تو ان کی بیبیوں نے ان کا دل بتوں کی پرستش کی طرف پھیر دیا (سلاطین باب ۱۱ آیت ۴) - قرآن کریم نے اس خطرناک الزام کی تردید ان الفاظ میں کی ھے - فرمایا :

وَ وَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَیْمٰنَ نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ

ہم نے داؤد کو سلیمان بیٹا عطا کیا جو نہایت فرمانبردار بندہ تھا اور ہماری طرف جھکا رہتا تھا یعنی وہ کسی معبودان باطلہ کی طرف جھکنے والا نہ تھا اور اس ضمن میں یہ بھی فرمایا وما کفر سلیمان ' یعنی سلیمان سے کبھی کسی قسم کے کفر کی بات سرزد نہیں ہوئی -

حضرت موسیٰ کی نسبت توراۃ میں یہ الزام ہے کہ ان کی بہن نے ان پر ان کی کوشی بی بی کے بارہ میں الزام لگایا تھا - قرآن کریم میں اس کی بھی تردید کی گئی ہے - فرمایا :

يَا يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَاللّٰهِ وَجِيْهاً

یعنی حضرت موسیٰ کی طرف جو نازیبا بات منسوب کی گئی تھی اللہ تعالیٰ اس بارے میں ان کی بریت کرتا اور ان کی نسبت اعلان کرتا ہے کہ الزام لگانے والے جھوٹے ہیں - حضرت موسیٰ تو جناب الٰہی کے نزدیک نہایت وجیہ یعنی قابل عزت شخصیت کے مالک ہیں -

اسی طرح حضرت لوط کی نسبت پیدائش باب ۱۹ آیت ۳۱ تا ۳۸ میں نہایت ناپاک اور فحش بات لکھی ہے کہ

انھوں نے اپنی دو بیٹیوں سے بدکاری کی جنھوں نے اپنے باپ کو شراب پلائی اور اپنے باپ کی نسل باقی رکھنے کی غرض سے ایک رات پلوٹھی اندر گئی اور دوسری رات شراب پلانے کے بعد چھوٹی بھی اندر گئی - انا للہ و انا الیہ راجعون - خدا کے پاک پیغمبروں کے خلاف جھوٹے افسانے لکھے گئے ھیں اور ان معصوم شخصیتوں کے خلاف ناپاک بہتان تراشے گئے ھیں - پیدائش باب ۲۷ میں حضرت اسحاق پر بہتان باندھا گیا ھے - اور پیدائش باب ۲۹ آیت ۱۱ تا ۲۹ میں لکھا ھے کہ یعقوب راحل پر عاشق تھا . . . . اس جگہ ایک فحش قصہ لکھا گیا ھے جس کے دھرانے سے قلم رکتا ھے - اسی طرح کا ایک بیہودہ قصہ پیدائش باب ۳۰ آیت ۲ تا ۱۰ میں درج ھے -

اسی طرح کا ایک نہایت ناپاک قصہ حضرت داؤد کے متعلق تورات میں درج ھے (کتاب دوم سموئیل باب ۱۱ آیت ۲ تا ۱۳) - غرض تورات نے انبیاء کی عصمت پر قتل عمد، بدکاری وغیرہ وغیرہ کے بہتان باندھ رکھے ھیں جس سے ان کے ماننے والوں کے اخلاق تباہ ہوتے ھیں - اور اس قسم کی بداخلاقیوں کے قصے پڑھنے والوں کو جرات دلاتے ھیں

کہ جب ہمارے انبیاء افعال شنیعہ کے مرتکب ہوں تو عامۃ الناس سے طہارت و تزکیہ کی زندگی بسر کرنے کی توقع رکھنا خام خیالی ہے ۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اصولاً تمام کے تمام پیغمبروں کے متعلق فرمایا کہ وہ معصوم تھے اور ان کی نسبت

اِصْطَفَيْنَاهُمْ

کے الفاظ استعمال کرکے ان کے بزرگ ہونے کی دلیل دی ہے ۔ ان الفاظ کے استعمال کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انبیاء نہ صرف تمام قسم کے غش و غل سے پاک تھے بلکہ وہ جوہر خالص تھے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو منتخب کیا تھا تاکہ وہ مخلوق خدا کی رہبری کا کام انجام دیں اور اپنے پاکیزہ اخلاق کا نمونہ پیش کریں ۔

حضرت داؤد کے متعلق فرمایا

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ

یعنی ہمارے فرمان بردار بندے داؤد کا حال بیان کرو ۔ وہ باوجود اقتدار کے حاصل ہونے کے جناب الٰہی میں جھکے رہتے تھے ۔ اور فرمایا :

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا

یعنی ہم نے اپنی جناب سے داؤد کو فضیلت و بزرگی عطا کر رکھی تھی - حضرت نوح اور حضرت لوط کے ذکر میں فرمایا کہ ان کی خائن بیبیاں ہمارے صالح بندوں کے ماتحت تھیں - کانتا تحت عبدین صالحین فخانتھا اسی طرح وہ بہتان جو حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم پر باندھا گیا تھا نہایت سنگین اور نہایت ناپاک تھا - اس لئے ان دونوں کی بریت کا ذکر مفصل طور پر کیا گیا ہے - ان کو سب سے زیادہ مظلوم پا کر ان کی حمایت کرنے میں حضور نبی کریم نے خصوصی زور سے کام لیا ہے - یہودی حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے متعلق نہایت خطرناک الزام لگاتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ ایک ناپاک روح ہیں - اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعظیم و تکریم قائم کرنے کے لئے ان کو روح اللہ کہہ کر یاد کیا ہے اور ان کی والدہ ماجدہ کو صدیقہ کہا -

اور ان کے متعلق فرمایا :

وَاصْطَفَاکِ وَطَهَّرَکِ عَلٰی نِسَاءِ الْعَالَمِیْنَ

یعنی ہم نے تمھیں تمام قسم کی آلائشوں سے پاک کیا اور

تمھیں منتخب کیا اور تمھیں اپنی قوم کی سب عورتوں پر فضیلت عطا کی - یہ ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ھے -

حضرت عیسیٰ کی پیدائش پر جو اعتراض یہودیوں نے کیا وہ ماں اور بیٹے دونوں کو ملوث کرتا ھے اور جو اعتراض انھوں نے حضرت عیسیٰ کی وفات کے بارہ میں کیا وہ نہایت ھتک آمیز اور رسوا کن ھے - وہ کہتے ھیں کہ تورات کی رو سے جو نبی مصلوب ھوتا ھے وہ جھوٹا ھوتا ھے اور اس کی موت لعنتی ھوتی ھے اور لعنتی اس کو کہتے ھیں جو خدا تعالیٰ کے قرب اور اس کی رحمت سے دور افتادہ ھو - دیکھو توراۃ کتاب استثناء باب ۲۱ آیت ۲۲ جس مین لکھا ھے کہ جو کاٹھ پر لٹکایا جاتا ھے وہ لعنتی ھوتا ھے - اور یہی مفہوم انجیل میں بھی دھرایا گیا ھے، دیکھو کتاب اعمال گلیتون باب ۳ آیت ۱۳ جس میں یہ عبارت درج ھے ''مسیح جو ھمارے لئے لعنتی بنا اس نے ھمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیونکہ لکھا ھے جو کوئی کاٹھ پر لٹکایا جاتا ھے وہ لعنتی ھے - ایک پیغمبر کے متعلق اس قسم کا چرچا کرنا اور اس قسم کا اعتقاد رکھنا نہایت توھین آمیز ھونے کے علاوہ ایمان اور اخلاق کے لئے تباہ کن ھے - اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے کہ حضرت عسیٰ کی موت صلیب پر واقع نہیں ہوئی اور نہ وہ لعنتی موت مرے بلکہ وہ مقربان الٰہی میں سے ہیں انہ لمن المقربین ۔ اور نہ ہی وہ تین دن تک جہنم میں رہے بلکہ وہ مقرب و مرفوع الی اللہ ہیں ۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی تاریخ میں یہ امر مسلم ہے کہ حضرت عیسیٰ پر ایک رومی حاکم پیلاطوس کی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا تھا اور وہ سزا یاب ہوئے تھے ۔ ان کی سزا یہ تھی کہ ان کو صلیب پر کھینچا جائے ۔ چنانچہ ان کو صلیب پر کھینچا گیا ۔ انجیل میں لکھا ہے کہ چند گھنٹوں کے بعد ان کو صلیب پر سے اتار لیا گیا تھا ۔ جس وقت ان کو اتارا گیا اس وقت ان پر غشی طاری تھی لیکن جب ایک سپاہی نے ان کے پہلو میں برچھی ماری تو ان کے بدن سے لہو جاری ہوگیا ۔ انجیل میں یہ عبارت درج ہے کہ ایک سپاہی نے بھالے سے اس کی پسلی چیدی اور فی الفور اس سے خون اور پانی نکلا (یوحنا باب ۱۹ آیت ۳۴) جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مرے نہیں تھے بلکہ زندہ تھے ۔ چنانچہ اس حقیقت کی گواہی یورپ بھر کی پکچر گیلریاں دیتی ہیں جہاں ایسی تصویریں مشاہدہ میں آتی ہیں جو فن مصوری کی شاہکار ہیں ۔ ان تصویروں

میں حضرت عیسیٰ کے پہلو سے سرخ خون ٹپکتا ہوا نظر آتا ہے جس سے عیاں ہوتا ہے کہ وہ صلیب پر مرے نہیں تھے بلکہ زندہ ہی صلیب پر سے اتار لئے گئے تھے۔ عیسائیوں کی نجات کا جو عقیدہ صلیبی موت کے حادثہ پر استوار کیا گیا ہے اس کی پکچر گیلریاں تردید کرتی ہیں اور ظاہر کرتی ہیں کہ جس واقعہ پر عیسائی مذہب مبنی ہے وہ واقعہ سرے سے بے بنیاد ہے۔ حضرت عیسیٰ صلیب پر کھینچے ضرور گئے تھے لیکن خدا تعالیٰ نے ان کو لعنتی موت سے بچا لیا تھا۔ اس بارے میں فرمایا۔

مَا قَتَلُوهُ يَقِيناً

ان کے دشمن ان پر یقینی طور پر موت وارد نہ کر سکے، ہاں ظنی طور ان کو مشابہ بمصلوب و مقتول سمجھ لیا گیا تھا۔ چنانچہ جب یوسف آرمیتھیا کو جو کونسلر آف اسٹیٹ تھا اور جو حضرت عیسیٰ کا مرید تھا پلاطوس نے مخاطب کر کے کہا تم حضرت عیسیٰ کی لاش طلب کرتے ہو، کیا وہ مر گیا؟

پلاطوس کی حیرانگی کا مطلب یہ تھا کہ چند گھنٹوں میں صلیب پر موت واقع نہیں ہو سکتی بہر حال یوسف آرمیتھیا

حضرت عیسیٰ کو اٹھا کر لے گئے ۔ اور ان کو ایک چھوٹے سے کمرہ میں رکھ دیا جو باغ میں ایک ٹیلے کے اندر سطح زمین سے اوپر تیار کیا گیا تھا۔ اور جس کے دروازہ کے سامنے ایک پتھر لڑکھا دیا گیا جس کا مقصد یہ تھا کہ اندر ھوا آتی رہے ۔ برچھی کے لگنے سے ان کے خون میں دورہ تو پیدا ھو ھی چکا تھا ۔ باغ کی تازہ ھوا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواس بحال کر دیے اور وہ باھر نکل گئے اور اس خوف سے کہ وہ دوبارہ حکومت کی گرفت میں نہ آ جائیں انھوں نے باغبان کے کپڑے پہن لئے دیکھو یوحنا باب ۲۰ آیت ۱۵ اور تو اور خود یہودیوں کو بھی یقین تھا کہ حضرت عیسیٰ صلیب پر نہیں مرے ۔ اس لئے انھوں نے پیلا طوس سے کہا کہ قبر پر پہرہ لگا دیا جائے ورنہ حضرت عیسیٰ کے حواری ان کو قبر سے نکال لے جائیں گے اور مشہور کریں گے کہ حضرت عیسیٰ مر کر جی اٹھے ھیں ۔ چنانچہ جیسا کہ ابھی بیان ھوا ھے وہ قبر سے زندہ نکل آئے تھے ۔ اس تاریخی واقعہ کی تصدیق کرتے ھوئے قرآن کریم انکشاف کرتا ھے کہ حضرت عیسیٰ کو خدا تعالی نے لعنتی موت سے بچا لیا تھا ۔ نہ وہ مصلوب ھوئے تھے اور نہ ھی مقتول، ھاں مصلوب مقتول

نظر آتے تھے - جیسا کہ فرمایا :

وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ

اور فرمایا :

مَا قَتَلُوهُ

یقیناً وہ ان کو یقینی طور پر قتل نہ کر سکے تھے - اس کی وضاحت کے لئے فرمایا :

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا (النساء ۴ آیت ۱۵۶)

یعنی وہ لوگ جو حضرت عیسیٰ کے معاملہ میں اختلاف کرتے ہیں وہ شک و شبہ میں گرفتار ہیں - ان کو حضرت عیسیٰ کی موت کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے- وہ محض ظن کی اتباع کرتے ہیں - انھوں نے ان پر یقینی طور پر فعل قتل وارد نہیں کیا تھا - غرض اللہ تعالیٰ نے واقعات کی بناء پر یہودیوں کے اس دعویٰ کی تکذیب کر دی ہے کہ ہم نے حضرت

عیسیٰ کو مصلوب کرکے ان پر لعنتی موت وارد کر دی تھی - اللہ تعالیٰ اس کے برعکس فرماتا ہے کہ وہ لعنتی نہیں ہوئے بلکہ وہ مقرب الہی ہیں انہ لمن المقربین اور یہی معنے بل رفع اللہ کے ہیں -

غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام کو ان اعتراضات اور الزامات سے بری ثابت کیا جو اعتراضات ان کے دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کر رکھے تھے اور جو تورات کے صفحات میں راہ پا گئے تھے - حضور نبی کریم نے اپنی اس فیاضانہ حمایت سے انبیاء کو معصوم قرار دے کر انسانیت پر بہت بڑا احسان کیا ہے ورنہ نہ تورات کی کوئی قدر و قیمت باقی رہتی اور نہ انبیاء علیہم السلام کا وقار باقی رہتا - یہ قابل قدر کارنامے حضور نبی کریم صلعم کو Chivalrous ثابت کرتے ہیں - عیسائیوں کو چاہیے تھا کہ وہ حضور کے مرہون منت ہوتے اور ان کے حق میں رطب اللسان نظر آتے - لیکن انہوں نے بجائے اس کے کہ اس احسان کی قدر دانی کرتے حضور نبی کریم کی توہین کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے - ہاں زمانۂ حال کا عیسائی مصنف حضور کے اس احسان کا معترف ہے اور وہ یقین کرتا

ہے کہ یورپ کے عیسائی مضنفین نے جو اعتراضات حضور پر کئیے ھیں وہ بے بنیاد اور غلط ھیں اور وہ جہالت اور تعصب کی پیداوار ھیں -

قرآن کریم عالمگیر اخوت قائم کرتا ھے

حضور نبی کریم کا دین بھی عالمگیر ھے اور ان کی قائم کردہ اخوت اسلامیہ بھی عالمگیر ھے - یہ اخوت نہ ھی اھل مشرق کے لئیے مخصوص ھے اور نہ ھی اھل مغرب کے لئیے- یہ اخوت صرف عربوں یا صرف ایرانیوں یا صرف افغانوں یا صرف مصریوں کے لئیے نہیں ھے بلکہ جیسا کہ ابھی مذکرر ھوا یہ اخوت عالمگیر ھے - اس اخوت میں نہ نسلی برتری کا لحاظ و امتیاز ھے اور نہ ھی اقتدار و ثروت کا - اسلامی معاشرے میں بادشاہ اور گدا کے لئیے ایک ھی قانون ھے - چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے متعلق فرمایا :

اِنِّیْ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ

اسی قسم کا اعلان اللہ تعالیٰ نے حضور کی بیبیوں کے متعلق کیا کہ چونکہ ان بیبیوں کی ذمہ داری سب عورتوں کی

نسبت زیادہ ہے اس لئے اگر ان سے کوئی گناہ سرزد ہوا تو اس کی سزا دگنی ہوگی اور اسی رنگ میں حضور نے اپنی بیٹی فاطمہ کو مخاطب کرکے فرمایا :

یَا فَاطِمَۃُ لَا اَمْلِکُ لَکُمْ مِنَ اللّٰہِ شَیْئاً وَ لَا اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِنَ اللّٰہِ شَیْئاً

یعنی نہ تو مجھے کوئی ایسا اختیار حاصل ہے جس کی بناء پر میں آپ کے کام آسکوں اور نہ ہی میں آپ کو کسی سزا سے بچا سکتا ہوں ۔ خدا تعالیٰ کی جناب میں صرف اعمال صالحہ کام آسکتے ہیں اس لئے میں آپ کو مکرر یہی کہوں گا اعملی ، اعملی ، یعنی عمل کرو عمل کرو ۔

وہ گران قدر قانون جو حضور نبی کریم نے رائج کیا تھا اس کے برعکس مغرب کے بادشاہوں کے لئے آج کی روشن صدی میں بھی یہ غیرمعقول قانون رائج ہے: The king can do no wrong یعنی بادشاہ جو نا ہنجار فعل بھی کرے وہ سزا سے محفوظ ہے لیکن آج سے چودہ سو سال پیشتر پیغمبر اسلام نے جو جمہوریت اور مساوات قائم کی تھی وہ Ideal ہے ، وہ معیاری اور مثالی ہے ۔ جس کا مشاہدہ دنیا کرتی چلی آئی ہے

اور رشک کے ساتھ اس کے بےعدیل ہونے کا اعتراف کرتی رہی ہے - یہ لوگوں کا مشاہدہ ہے کہ بادشاہ اور گدا شانہ بشانہ مسجد میں عبادت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور امیر و غریب مل کر بیٹھتے اور مل کر کھانا تناول کرتے ہیں - امیروں کے گھروں کے ساتھ ساتھ غریبوں کے گھر دکھائی دیتے ہیں - شادی اور بیاہ میں امیر اور غریب برابر کے شریک ہوتے ہیں - اگر مسلمان زندگی میں ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں تو موت کے بعد بھی قبرستان میں امیر و غریب دونوں ایک ہی جگہ مدفون پائے جاتے ہیں -

عالمگیرا اخوت کے راستے میں جو چٹان حائل تھے وہ یہ ہیں -

مشرق و مغرب کا سوال اور بولی اور رنگ کا سوال

جس طرح نسلی امتیازات اور مذہبی تعصبات نے خدا کی مخلوق میں فساد برپا کر رکھا ہے، اسی طرح مشرق و مغرب کے سوال نے اور رنگ اور بولی کے اختلافات خدا کی مخلوق پر ظلم روا رکھنے کے باعث بنے ہوئے ہیں - اہل مغرب یقین کرتے ہیں کہ ان کو اہل مشرق پر حکومت کرنے

کا حق حاصل ہے - اسی زعم باطل کے باعث اہل مغرب نے اہل مشرق کو غلام بنائے رکھا اور جتنا ممکن ہو سکتا تھا ان کو ذلیل کیا اور ہر طرح سے ان پر اپنی برتری مسلط کی اور ان کے ملکوں کی دولت سے اپنے آپ کو مالا مال کرتے رہے - حضور نبی کریم نے اس بارے میں یہ فرمایا :

لِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ

یعنی اہل مشرق اور اہل مغرب دونوں خدا تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اسی کی ملکیت ہیں اور فرمایا :

رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَ رَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ

یعنی اہل مشرق اور اہل مغرب دونوں کی ربوبیت وہی کرتا ہے - اس نے دونوں کو یکساں قویٰ اور استعدادیں عطا کر رکھی ہیں اور وہی دونوں کا محسن و مربی ہے - اس لئے مشرق و مغرب کے سوال نے جو نا قابل برداشت تفریق پیدا کر رکھی ہے اس کو مٹانا ضروری ہے - چنانچہ مسلمان جب یورپ کے مغربی اور مشرقی ممالک کے حکمران بنے تو انہوں نے عملاً اس نقصان دہ اور توہین آمیز تفریق کو مٹا کر رکھ دیا - ان کی عیسائی رعایا نے محسوس کیا کہ مسلمان

کے عمل میں اسی طرح کی جمہوریت و مساوات ہے جس طرح اس کے معتقدات اور نظریات میں جمہوریت اور مساوات پائی جاتی ہے - اسی لئے ان ممالک کے باشندوں نے اسلامی تعلیمات کو اپنا لیا تھا - اسی وجہ سے مصر سے لے کر مراکو تک کے باشندوں نے مسلمانوں کا دین قبول کر لیا تھا اور مسلمانوں کی بولی اور ثقافت تک کو اپنا لیا تھا - اہل مصر نے بہت سی تہذیبیں دیکھیں اور باری باری انہوں نے ہر تہذیب کو ترک کیا - لیکن اسلام اور اسلامی تہذیب و ثقافت نے اپنی معقولیت اور افادیت کے باعث ہمیشہ کے لئے اہل مصر کے دلوں میں گھر کر لیا - اسی طرح کا حسن سلوک مسلمان حکمرانوں نے اہل سپین اور اہل قسطنطنیہ سے کیا جس کی وجہ سے وہ ان کے وفادار رعایا بن گئے - اسی حسن سلوک کی برکت سے سپین پر سات سو سال تک مسلمانوں کی سلطنت قائم رہی اور یورپ کے مشرق میں تو اب تک اسلامی جھنڈا لہراتا ہے - جس طرح مشرق و مغرب کا سوال نقصان دہ اور توہین آمیز ہے اسی طرح بولی اور رنگ کے سوالات بھی انسانیت کے لئے نقصان دہ ثابت ہو رہے ہیں - حضور علیہ السلام جن کے سامنے ساری انسانیت کی اصلاح کا مسئلہ

در پیش تھا - انہوں نے رنگ و بولی کے پیدا کردہ تعصبات اور فسادات کو مٹانے کی طرف بھی توجہ دی - حضور کے خلوص اور صداقت نے اس میدان میں بھی ان کو نمایاں کامیابی سے ھم کنار کیا -

آج لنڈن جیسے مہذب شہر میں کالے آدمی سے حقارت بھرا سلوک کرنا جائز سمجھا جا رہا ھے اور بعض مواقع پر سفید آدمی اپنی بڑائی کی وجہ سے کالے آدمی کو زدوکوب بھی کرتا ھے - اول تو کالے آدمی کو رھائش کے لئے مکان حاصل کرنے میں بہت دقت کا سامنا کرنا پڑتا ھے اور اگر وہ مکان حاصل کرنے میں کامیاب ھو جائے تو اس کو بے جا تنگ کرکے وھاں سے نکل جانے پر مجبور کیا جاتا ھے - اھل امریکہ کے حالات بھی اس بارہ میں ناگفتہ بہ ھیں - لنڈن اور امریکہ کو اپنی جمہوریت پسندی پر بڑا فخر ھے لیکن وہ بری طرح فیل ھوئے ھیں جیسا کہ اوپر مذکور ھوا - حضور نبی کریم نے اس خطرناک اختلاف کو بھی بیخ وبن سے اکھاڑ کر رکھ دیا - بلالؓ حبشی تھے اور حضور نبی کریم حضرت ابراھیم کی اولاد سے تھے اور اس نسل کے افراد کی طرح بالکل سفید تھے - جب بلال نے اسلام قبول کیا تو

حضور نے اس کو سینہ سے لگا لیا اور اس کا رتبہ بلند کرنے کی غرض سے اس کو مؤذن مقرر کیا اور اس کا درجہ یہاں تک بلند ہوا کہ حضرت عمر جیسی شخصیت نے کہا کان عمر یقول سیدنا ابوبکر اعتق سیدنا بلال ' یعنی ہمارے سردار ابوبکر نے ہمارے سردار بلال کو آزاد کرایا تھا اور آج بھی شام کے شہر دمشق میں جہاں ان کا مزار ہے ان کو سیدنا بلال کے معزز الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے - قرآن کریم نے حبشی اقوام کی تکریم کرنے کے لئے فرمایا اس قوم میں بھی ہم نے انھی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیا تھا جس کا نام حضرت لقمان علیہ السلام تھا - قرآن کریم میں ایک باب یعنی ایک سورت کا نام ھی لقمان ہے جس سے ان کی اور حبشی قوم کی تکریم کرنا مقصود ہے اسی طرح جس طرح حضرت مریم کی تعظیم قائم کرنے کے لئے قرآن کریم میں ایک سورت کا نام مریم رکھا ہے - یہ امر عیاں ہے کہ قرآن کریم افراد اور اقوام کی تعظیم و توقیر قائم کرتا ہے - جس سے اخلاق میں بلندی اور قلب میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور جس سے انسان کی معرفت اور عرفان میں قیمتی اضافہ ہوتا ہے اس قیمتی سبق کی طرف توجہ دلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ لَآیَاتٍ لِلْعَالِمِیْنَ

یعنی اہل علم کے لئے جس طرح زمین و آسمان کی تخلیق اور ان کا قیام اور ان کے نظام ربوبیت ہستی باری تعالیٰ پر دلالت کرتے ہیں اسی طرح اہل علم کے نزدیک رنگوں کا اختلاف اور بولیوں کا اختلاف بھی خدا تعالیٰ کے علم و حکمت کی نشان دہی کرتے ہیں اور اہل علم ان سطحی امور کو انتشار اور افتراق کا باعث نہیں بناتے۔ اس آیت کریمہ میں عالمین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ لفظ عالِم بزیر لام عالمین کا واحد ہے۔ اس لفظ کا استعمال کرکے اہل علم کو اپیل کی گئی ہے کہ وہ غور سے کام لے کر حقیقت شناس بنیں اور اختلافاف کو مٹانے کی طرف توجہ دیں۔ جہاں سورج کی تمازت تیز ہوتی ہے وہاں انسان کے بیرونی حصہ کا رنگ سیاہی پکڑتا ہے اور جہاں اس کی گرمی کمزور ہوتی ہے وہاں خود بخود رنگ سفیدی پکڑتا ہے۔ لیکن اہل نظر جب اس پر غور کرتے ہیں تو ان کو بدیہی طور پر نظر آتا ہے کہ جلد کے کالے یا سفید ہو جانے سے جوہر انسانیت پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا۔ انسانیت

دونوں حالتوں میں ایک ھی رھتی ھے -

فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا

فطرت انسانی سب انسانوں اور سب قوموں کے لئے ایک ھی ھے - سب کے سب لوٹ کھسوٹ اور بددیانتی کی طرز زندگی کو برا کہتے ھیں - سب کے سب ظلم کی مذمت کرتے ھیں - سب لوگ صدق و صفا کو پسند کرتے اور جھوٹ، دغا بازی اور مکاری سے نفرت کر تے ھیں - سب کے سب خود غرضی کو برا سمجھتے اور فیاض انسان کو اچھا سمجھتے ھیں - عادل و منصف مزاج حاکم کی تعریف کرتے ھیں اور رشوت لے کر انصاف کا خون کرنے والے حاکم پر نفرین بھیجتے ھیں - ان معارف عالیہ کی تلقین کر کے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے دنیا کو حقیقی عرفان سے روشناس کیا اور ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لا کھڑا کیا اور اس طرح فساد کے طرز و طریق کو دور کرکے لوگوں کو امن و امان کی زندگی بسر کرنے کی طرف توجہ دلائی - جس طرح رنگ کا مسئلہ تباھی لاتا ھے اسی طرح زبان کا سوال بھی فساد پیدا کرتا ھے - آج کل ھندوستان میں سکھوں نے پنجابی زبان کے قیام پر زور دے رکھا ھے بلکہ پنجابی بولی کو

سکھوں کے لئے علیحدہ صوبہ بنانے کے لئے بطور بنیاد کے پیش کیا ہے - یہ تو مشرق پنجاب کا معاملہ ہے لیکن مشرق پنجاب پر ہی کیا منحصر ہے سارے ہندوستان میں اردو اور ہندی کے باعث شدید تنازعات کا بازار گرم رہتا ہے - ہندوستان سے باہر بھی اسی قسم کے مضر خیالات پائے جاتے ہیں - انگریز جس طرح اپنی نسل اور قومیت پر فخر کرتا ہے اسی طرح ان کو انگریزی بولی پر بھی فخر ہے - جس ایشیائی ملک پر وہ حکومت کرتا ہے اس پر اپنی زبان بھی مسلط کر دیتا ہے اور اس ملک کے باشندوں سے دور اپنی جائے رہائش اختیار کرتا ہے کیونکہ ان سے ملنا جلنا اس کو پسند نہیں آتا - خود یورپ میں بھی انگریز اپنی زبان پر فخر کرتا ہے - جب وہ فرانس جاتا ہے تو توقع کرتا ہے کہ لوگ اس کی خاطر انگریزی زبان استعمال کریں - فرانس پر ہی موقوف نہیں ، وہ اٹلی جائے یا جرمنی میں یا کسی دوسری جگہ جائے وہاں پر وہ توقع رکھتا ہے کہ لوگ اس کی خاطر انگریزی زبان استعمال کریں گے - قصہ کوتاہ مشرق و مغرب کے سوال اور رنگ و بولی کے اختلافات نے مخلوق خدا کو کئی قسم کا نقصان پہنچا رکھا ہے - اختلافات تو

کبھی نہیں مٹ سکتے لیکن ان اختلافات کے باعث جو نقصانات مخلوق خدا کو برداشت کرنے پڑتے ھیں ان کا تدارک ھو سکتا ھے ۔ اس مقصد کے پیش نظر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں ذھنی انقلاب پیدا کیا اور ان کے دماغوں میں روشنی پیدا کی اور ان کو یہ عرفان عطا کیا کہ یہ اختلافات محض سطحی ھیں ۔ اصل حقیقت یہ ھے کہ سب اقوام عالم کی خالق و مالک اور محسن و مربی ایک ھی ھستی ھے اور یہ اختلافات خود اسی نے پیدا کئے ھیں ۔ وہ کہتا ھے

وَ مَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہ

اس سے معلوم ھوا کہ سب بولیاں خدا کو پسند ھیں اور اس کے بندوں کو بھی سب بولیاں پسند کرنی چاھیں اور بولیوں کی بناء پر ایک دوسرے کا دشمن نہ بن جانا چاھیے ۔ خدا تعالیٰ پسند نہیں کرتا کہ اس کا وسیع کنبہ سطحی اختلافات کی وجہ سے برسر پیکار رھے اور انسان ھو کر حقیقت شناس نہ رھے ۔

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اقوام عالم کے لئے پیغمبر کرکے بھیجا اس لئے ان

کو اقوام عالم کی بیاریوں کا علم بھی دیا اور ان بیاریوں کے دور کرنے کا طریق بھی بتایا - یہ حقائق ثابت کرتے ھیں کہ حضور نبی کریم کا یہ دعویٰ کہ میں رب العا'مین کی جانب سے ساری قوموں کی تعلیم و تربیت کے لئے آیا ھوں حقیقت پر مبنی ھے -

ولقد کرمنا بنی آدم

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی ھے کہ انسانیت کا ھرفرد قابل عزت ھے - مذکورہ بالا آیۃ کریمہ ولقد کرمنا بنی آدم میں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ تم لوگ انسان کی تکریم کیا کرو - ایسا نہیں ھے بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ھے کہ ھم نے بنی نوع انسان کو قابل تعظیم و تکریم قرار دیا ھے اس لئے ھر وہ شخص جس پر آدم کی اولاد ھونے کے الفاظ صادق آتے ھیں قابل عزت ھے - بنی آدم کے الفاظ ھر قوم کے افراد کو اپنے دائرے میں لئے ھوئے ھیں - یہ الفاظ ھر مرد و زن پر صادق آتے ھیں اور ان الفاظ کا اطلاق ھر مذھب کے پیرو پر ھوگا - ان الفاظ کا اطلاق ھر امیر و غریب پر ھوگا - غرض ساری کی ساری انسانیت کے

افراد ان الفاظ کے دائرے کے اندر آتے ہیں ۔ مختلف نسلوں کے افراد اور مختلف مذاہب کے افراد اور مختلف وطنوں کے افراد کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ وہ سب کے سب بلا امتیاز واجب التعظیم ہیں ۔ ولقد کرمنا بنی آدم میں جو تعلیم دی گئی ہے وہ جامع اور دور رس ہے ۔ لیکن واقعات یہ ہیں کہ باوجود یکہ خدا تعالیٰ نے انسان کے فرزند کو آزاد پیدا کیا ہے اہل حرص و ہوا نے کبھی اس کو غلام بنا کر اس کی آزادی چھین لی اور اس کو ذلیل کیا ، کبھی انسان کے فرزند کو اچھوت کہہ کر انسانیت کے درجہ سے نیچا گرا دیا اور کبھی اس کو Gentile کہہ کر ذلیل کیا جس کے معنی بے دین کافر کے ہیں اور اکثر ایسا بھی ہوا کہ وہ لوگ جن سے ادنیٰ درجہ کی خدمات لی جاتی ہوں ان کو معاشرے میں ذلیل مقام دے دیا گیا اور سوسائٹی نے ان کو سب سے نچلے اور ذلیل طبقے کے انسان قرار دیا ، اور ایسا بھی ہوا کہ غرباء کو اور مزدوری پیشہ انسانوں کو حقیر و ذلیل سمجھا گیا ۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو جو انسانیت کے تمام طبقات کا پیدا کرنے والا اور جس کو اپنی ساری مخلوق پیاری ہے قرار دیتا ہے کہ انسانیت کا ہر فرد

اس قابل ہے کہ اس کی تکریم کی جائے ۔ خدا تعالیٰ کا یہ
حکم بنی نوع انسان کے لئے ایک اہم بشارت کا حامل ہے ۔
حضور نبی کریم جو اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی تعمیل میں سبقت
لے جاتے تھے، انھوں نے اس حکم کی بھی پوری پوری پابندی
کی ۔ ہر شخص کو جو گری ہوئی حالت میں تھا حضور نے
اس کو پستی سے نکال کر عزت و رفعت کے مقام پر پہنچا دیا
جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوسائٹی کے سب افراد عزت کی
نگاہ سے دیکھے جانے لگے اور کوئی فرد ایسا نظر نہ آتا تھا
جو یہ محسوس کرتا ہو کہ مجھے حقارت و نفرت کی نگاہ سے
دیکھا جاتا ہے ۔ یہ نہایت ہی مشکل اور نہایت ہی اہم
کام تھا جو حضور کی برکت سے سرانجام پایا ۔ ہمارے زمانہ
میں ہندوستان کے اچھوتوں کی حالت زار کو دیکھ کر
مہاتما گاندھی کا دل پگھلا ۔ انھوں نے اچھوتوں کو انسانیت
کا درجہ دینے کے لئے زبردست جد و جہد کی لیکن وہ اپنے
اس بلند مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے ۔ مہاتما گاندی ایسی
شخصیت کے مالک تھے کہ ہر ہندو ان کی دل سے تعظیم
کرتا تھا لیکن باوجود اس عظمت کے جو ان کو حاصل
تھی وہ چھ سات کروڑ اچھوتوں کو انسانیت کا درجہ دلانے

میں کامیاب نہ ہوئے -

اس واقعہ سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ گرے ہوئے طبقۂ انسانیت کو اوپر اٹھانا نہایت ہی مشکل کام ہے - یہ یاد رہے مہاتما گاندھی کی اس سعی کو نامراد بنا دینے والے معمولی لوگ نہ تھے بلکہ ایسے لوگ تھے جو علم و فضل کے مالک تھے اور جو مہاتما جی کی تلقین کو بخوبی سمجھ سکتے تھے تاہم وہ برداشت نہ کر سکتے تھے کہ اچھوت ان کے مندر میں آ داخل ہو یا ان کے کنوئیں سے پانی لے لیا کرے یا وہ ان کے کھانے کی جگہ میں آ موجود ہو یا اس کی اولاد ہندوؤں کے بچوں کے ساتھ مل کر تعلیم حاصل کرے - یہ علم و فضل کے مالک لوگ مہاتما جی کو یقین دلاتے تھے کہ آپ کی یہ تلقین ہمارے دین کے بالکل بر خلاف ہے کہ اچھوتوں کو ہندو قوم کا حصہ بنا لیا جائے - ایسی تعلیم پر عمل کرنا تو ہندو مذہب کو خیر باد کہنا ہے - بالکل یہی کیفیت یہودی کے دل کی ہے - وہ کسی صورت میں Gentile کو اپنی سوسائٹی کا فرد شمار کرنے کے لئے تیار نہیں ہے - جنٹائل کے معنے بائبل کی انگریزی ڈکشنری میں بے دین کافر کے لکھے ہیں اور ڈکشنری میں

یہ بھی صاف لکھا ہوا موجود ہے کہ یہودی کو غیر یہودی سے انتہا درجہ کی نفرت ہے یہاں تک کہ وہ غیر یہودی کو کتا کہہ کر یاد کرتا ہے۔ چونکہ حضرت عیسیٰ اور ان کے حواری یہودی تھے اس لئے حضرت عیسیٰ خود اور ان کے متبعین غیر یہودی سے پرلے درجہ کی نفرت کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے بھی غیر یہودی کے لئے کتا اور سور کے الفاظ استعمال کرنا جائز سمجھا۔ انجیل اس کی تائید کرتی ہے: "اور دیکھو ایک کنعانی عورت ان سرحدوں سے نکلی اور پکار کر کہنے لگی اے خداوند ابن داؤد مجھ پر رحم کر کہ ایک بد روح بری طرح میری بیٹی کو ستاتی ہے مگر اس نے کچھ جواب نہ دیا اور اس کے شاگردوں نے پاس آ کر اس سے یہ عرض کی کہ اسے رخصت کر دے کیونکہ وہ ہمارے پیچھے چلاتی ہے۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ مگر اس نے آ کر اسے سجدہ کیا اور کہا اے خداوند میری مدد کر۔ اس نے جواب میں کہا کہ بچوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں۔ اس نے کہا ہاں خداوند بچوں کے دسترخوان

کے جو ٹکڑے گرتے ہیں وہ کتے کھا ہی لیا کرتے ہیں ''
(دیکھو متی باب ۱۵ — آیت ۲۱ تا ۲۷) -

ذیل میں انجیل کی وہ عبارت درج کی جاتی ہے جس میں غیر اقوام کے لئے کتے اور سور کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں : '' پاک چیز کتوں کو نہ دو اور اپنے موتی سوروں کے آگے نہ پھینکو - (دیکھو متی باب ۷ آیت ۶) - اسی طرح حضرت عیسیٰ نے سامریوں کے لیے ہتک آمیز الفاظ استعمال کیے اور اپنے شاگردوں کو تلقین کی کہ ''غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا '' (متی باب ۱۰ آیت ۶) -

غرض ہندووں اور یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں غیر اقوام ملیچھ ہیں یا بے دین کافر ہیں یا سور اور کتے ہیں اور وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان کو انسان سمجھا جائے - اس کے بر عکس حضور نبی کریم ﷺ نے انسانیت پر بڑا کرم کیا جو ہر گرے ہوئے شخص کو اٹھایا اور اس کی عزت کو بحال کر دکھایا - خدا کا پیارا وہی ہو سکتا ہے جو خدا کے وسیع کنبہ کے افراد کی برباد شدہ عزت و احترام

کو بحال کر دکھائے۔

فَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ

یعنی وہ وجود جو انسانیت کے لئے نفع رساں ہے وہی قائم دائم رہتا ہے - حضور نبی کریم ﷺ چونکہ انفع الناس ثابت ہوئے ہیں اس لئے ان کا نام رہتی دنیا تک روشن رہے گا۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا - (بنی اسرائیل ۱۷ آیت ۷۰)

اس آیت کریمہ میں بنی نوع انسان کی تکریم ظاہر کرنے کے لئے کچھ تفصیلات ذکر کر دی گئی ہیں - ایک تو اس کی استعدادوں اور صلاحیتوں کا ذکر ہے جن کی برکت سے وہ سمندروں پر اور زمین کے مختلف علاقہ جات پر پہنچنے کے لئے مناسب سواریاں استعمال کرتا ہے - مزید برآں اس کی اس ذہنی فضیلت کے ساتھ ان افضال خداوندی کا بھی ذکر ہے جو اس کو عطا کیے گئے - خدا تعالیٰ نے انسان کو ذہنی قویٰ سے بھی مسلح کیا ہے اور اس کے لئے

طیبات بھی پیدا کیے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مورد عنایات الہیٰ ہے اور یہ حقیقت بھی عیاں ہو گئی کہ ساری کائنات انسان کی خادم ہے اور وہ مخدوم ہے جس سے اس کی برتری اور فضیلت عیاں ہوتی ہے۔

اس مضمون کی مزید وضاحت ذیل کی آیت کریمہ کرتی ہے:

قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ

... قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّ هُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ

(الاعراف ۷ آیت ۱۳۶)

جب حضرت موسیٰ کے ساتھ ان کی قوم مصر سے ہجرت کر کے کنعان کے صحرا میں قیام پذیر ہوئی تو ان کو اہل مصر کی گہماگہمی اور ان کی عبادات کی رونقوں کی یاد ستانے لگی۔ اس لئے انھوں نے حضرت موسیٰ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ ہمارے لئے بچھڑے کی مورتی یا کوئی دوسری قسم کا بت تجویز کر دیں تا کہ ہم اس کی عبادت سے دل بہلائیں۔ اس پر حضرت موسیٰ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک ابدی معرفت کا سبق دیا اور وہ یہ ہے کہ یہ کائنات ساری کی ساری انسان

کی خدمت کے لئے مامور ہے - سورج و قمر انسان کی خدمت میں مصروف ہیں - چشمے اور دریا اور سمندر انسان کی خدمت سر انجام دے رہے ہیں - تمام حیوانات اور پرندے بھی اس کی خدمت بجا لانے میں مصروف ہیں جیسا کہ فرمایا :

سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ - وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ
وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهَارَ وَ سَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَ النَّهَارَ -

یعنی اس کائنات کی کل اشیاء اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت میں لگا رکھی ہیں جس سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ تمام کائنات پر انسان کو برتری اور فضیلت حاصل ہے اور وہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حواس خمسہ کے علاوہ وہ قویٰ اور صلاحیتیں عطا کی ہیں جن کی بدولت یہ ہوا اور بجلی کو سمندوں اور پہاڑوں کو اور مخلوقات کے ہاتھیوں اور شیروں کو اپنے قابو میں لا سکتا ہے اور ان سے خدمت لے سکتا ہے - اللہ تعالیٰ نے اس کو دل و دماغ دے رکھا ہے - اس کو عقل و فہم دے رکھا ہے - اس کو قوت ارادی اور قوت متصورہ عنایت کر رکھی ہے - یہ قویٰ کائنات کے کسی دوسرے حصہ

مخلوقات کو نصیب نہیں ھیں - جب کائنات اور مخلوقات ساری کی ساری انسان کی خادم ھیں تو کیا یہ معقول بات ھوگی کہ ان خدام میں سے کسی کو اٹھا کر انسان کا مخدوم بلکہ انسان کا معبود بنا دیا جائے ؟ ایسا کرنا بالبداھت غیر معقول ھے - خادم کو مخدوم اور معبود تسلیم کرنا انسان کے لئے پرلے درجہ کی ذلت ھے - اس لئے تمہاری یہ درخواست تعجب خیز ھے کہ جس صورت میں تمھیں ساری کائنات پر فضلیت حاصل ھے تو کائنات کی کسی چیز کو کس طرح تم اپنا مخدوم و معبود تصور کر سکتے ھو ؟ یاد رکھو خدا تعالیٰ جو اس کائنات کا خالق ھے اور جو اس کائنات کے قیام کا باعث وھی استحقاق رکھتا ھے کہ اس کی عبادت کی جائے -

ولقد کرمنا

ولقد کرمنا بنی آدم میں ایک طرف تو یہ نہایت قیمتی سبق ھے کہ بنی نوع انسان کا ھر فرد واجب التکریم ھے اور دوسری طرف یہ آیت اس ذلیل کن مذھبی عقیدے کی تردید کرتی ھے جس کو ھندو نے اور عیسائی نے اپنے معتقدات کا گل سرسبد قرار دے رکھا ھے- دونوں قومیں انسان کو گنہگار متصور کرتی ھیں ایک نے تو انسان کو پاک کرنے اور اس کو نجات دلانے

کے لئے یہ عقیدہ تجویز کر رکھا ہے کہ انسان کو کبھی کتے کی اور کبھی بلی کی جون میں جانا پڑتا ہے اور کبھی بھیڑیے اور کبھی بھیڑ کی جون میں، کبھی وہ چوھا اور بندر بنتا ہے اور کبھی بچھو اور سانپ، کبھی باز اور کبھی کبوتر، کبھی قصاب اور کبھی گائے، کبھی پنڈت اور کبھی اس کو اچھوت بننا پڑتا ہے اور یہ سلسلہ لامتناھی ہے - دوسری قوم یعنی عیسائی بھی خدا کی بہترین حصہ مخلوق کو یعنی انسان کو گنہگار متصور کرتی ہے اور اس کو گناہ سے پاک کرنے اور نجات دلانے کے لئے خدا تعالیٰ نے بجائے اس کو معاف کر دینے کے یہ تدبیر کی کہ اس کا ایک بیٹا ہو، اس کو صلیب پر چڑھایا جائے اور اس طرح سے انسان کی نجات ھو جائے - قرآن کریم اس قسم کے غیر معقول اور توھین آمیز نظریات کی تردید کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ ھم نے انسان کو خلیفہ اللہ فی الارض مقرر کرنے کے پیش نظر اس کی طبیعت میں نیکی سے محبت کرنا ودیعت کر رکھا ہے اور اسی طرح بدی سے نفرت کرنا بھی اس کی سرشت میں موجود ہے - دیانتداری کو اچھا سمجھنا اس کی فطرت میں ہے اور بددیانتی کو برا کہنا بھی اس کی جبلت میں موجود

ھے - حاجت مندوں کی حاجت روائی کرنا اور ان کی خاطر اپنا روپیہ صرف کر دینا انسان کے نزدیک قابل تعریف ھے - بیماروں کی تکالیف دور کرنے کے لئے اس کو ھسپتال تعمیر کرنا پسند ھیں - ظالموں کے ھاتھ سے کمزوروں کو نجات دلانا بھی انسان کے قابل تعریف کارناموں میں سے ھے - انسان جھوٹ، رشوت اور لوٹ کھسوٹ کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ھے - تجارت میں دھوکا بازی کرنے والوں کو مستوجب ملامت قرار دیتا ھے - راست باز اور دیانتدار تاجر کی عزت کرتا ھے - اس سے معلوم ھوتا ھے کہ خدا تعالیٰ کا یہ ارشاد ولقد کرمنا بنی آدم ظاھر کرتا ھے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے عزت و بزرگی عطا کر رکھی ھے - فرمایا :

فِطَرَةَ اللهِ الَّتِی فطر النَّاس عَلَیهَا

فطرت انسانی نیکی پر مبنی ھے - ھاں انسان کو قوت ارادی عطا کی گئی ھے - اس قوت کا صحیح یا غلط استعمال کرنے کا اس کو اختیار حاصل ھے - اس قوت ارادی کے صحیح استعمال کے بجائے کبھی وہ اس قوت کا غلط استعمال بھی کر لیتا ھے - قوت ارادی خدا تعالیٰ کی جناب سے انسان کو ایک قابل قدر عطیہ عطا ھوا ھے - اسی کی وجہ سے انسان کو انسان کہا جاتا

ہے اور اسی سے اس کو حیوانات پر فوقیت حاصل ہے - ہاں اس کا غلط استعمال نقصان دہ ہے ' ایسا ہی جس طرح روپیہ کا غلط استعمال نقصان دہ ہے یا جس طرح سے بجلی اور آگ کا غلط استعمال برباد کن ہے - لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ روپیہ کی ذات میں بدی رکھی گئی ہے یا آگ اور بجلی کی طبیعت کے اندر بدی موجود ہے صحیح نہیں اسی طرح سے اگر انسان اپنے قویٰ کا غلط استعمال کرکے اپنے لئے اور اپنے ہم جنسوں کے لئے نقصان دہ حالات پیدا کرلے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ انسان کی سرشت میں ہی بدی ہے صحیح نہیں - کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہر قوم میں وہ بزرگ ہستیاں پیدا ہوئیں جنھوں نے اپنے دین اپنے وطن اور اپنی قوم کے لئے جان و مال قربان کر دیا جنھوں نے اپنے گھر بار چھوڑ کر غیر وطنوں میں جا کر مصیبت زدہ لوگوں کی خدمت کی - یقیناً وہ بزرگ ہستیاں حرص و ہوا سے پاک تھیں - وہ خود غرضی سے مبرا تھیں - وہ بددیانتی کا ارتکاب نہ کر سکتی تھیں وہ صدق و صفا کی صفت سے متصف تھیں - انمیں انسانی ہمدردی کا جذبہ تھا - جس جذبہ نے ان کو اپنا آرام اپنا مال اور اپنی جان قربان کر دینے پر آمادہ کیا - یہ حقائق و شواہد

ثابت کرتے ھیں کہ انسان فطرتاً نیک ھے ورنہ ھر قوم کے اندراس قسم کے ایثار پیشہ لوگ ھرگز پیدا نہ ھو سکتے تھے۔

غرض ولقد کرمنا بنی آدم کی آیت کریمہ نے یہ ثابت کر دیا ھے کہ انسان اپنے اخلاق فاضلہ اور اپنے اعمال کریمانہ کی وجہ سے بھی قابل تعظیم و تکریم ھے۔ اس کی سرشت میں وہ استعدادیں اور صلاحیتیں موجود ھیں جو اس کو مکرم و معظم بناتی ھیں۔ اس لئے یہ تو ھین آمیز نظریہ یا عقیدہ درست نہیں کہ انسان فطرتاً گنہگار ھے۔ انسان تو مخلوقات کی ارتقائی منازل کا آخری نقطہ ھے۔ اس میں خدا تعالیٰ نے ملکوتی صفات ودیعت کر رکھے ھیں۔ انسان کا خالق و مالک یہ نہیں کر سکتا تھا کہ جو حصہ مخلوقات کا سرتاج ھو اس کی طبیعت کی افتاد میں بدی رکھ دے۔ خدا کی تخلیق کے متعلق قرآن کریم بیان کرتا ھے کہ اس میں ھرطرح کی خوبیاں اورکمالات پائے جاتے ھیں۔ چنانچہ فرمایا :

احسن کل شئی خلقہ و بدأ خلق الانسان من طین

یعنی ھر چیز جو خدا نے تخلیق کی اس میں حسن و خوبی پیدا کی اور اس کی ایک مثال تخلیق انسان بھی ھے۔ ھر انسان کو مٹی سے پیدا کیا جاتا ھے اور وہ مٹی سے پیدا شدہ غلہ

ترکاریاں اور پھل کھاتا ہے جس سے اس کا خون پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح مٹی سے بھیڑ، بکری پیدا ہوتی ہیں جن کا دودھ اور گوشت انسان کھاتا ہے اور اس سے اس کا خون پیدا ہوتا ہے اور اس خون سے انسان کا بچہ تولد ہوتا ہے۔ مٹی کے اس پتلے میں روح اور قلب بنتا ہے اور روح و قلب میں ذہنی صلاحیتیں اور روحانی استعدادیں پیدا کی جاتی ہیں جن صلاحیتوں اور استعدادوں کی برکت سے وہ کائنات کی ہر چیز کو مسخر کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے مٹی میں نہ تو قوت ارادی ہے اور نہ قوت متصورہ۔ اس میں نہ عقل و فہم ہے اور نہ ہی دانش و حکمت، لیکن مٹی کو خدا تعالیٰ انسان کی شکل و صورت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ خلاق العلیم ہے یعنی وہ عجائبات پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے اور اسی لئے اس کا علم بھی وسیع اور محیط ہے۔ عیسائی غلطی سے یہ کہتا ہے

(۱) کہ انسان کی فطرت میں بدی ہے (۲) اور اس بدی سے نجات دلانے کے لئے خدا نے بیٹا تجویز کیا تھا۔

(۳) خدا کا وہ بیٹا صلیب پر چڑھایا گیا اور اس طرح سے انسانیت کو نجات حاصل ہوگئی۔ یہ تینوں امور ایسے ہیں

جن کو انسانی عقل تسلیم نہیں کرتی ۔ اول تو انسانیت کے درمیان شریف اور راستباز انسان دیکھنے میں آتے ھیں اور وہ ھندوؤں میں سکھوں میں ' یہودیوں میں اور عیسائیوں اور مسلمانوں میں اور دوسری سب قوموں میں پائے جاتے ھیں ۔ جس سے معلوم ھوا کہ انسانی فطرت نیک ہے ۔

۲- اور خدا کے لئے بیٹا پیدا کرنے کی کیا حاجت ھے ؟ بیٹے کے پیدا کرنے کا سوال نہایت ھی مشکل ھے ۔ کیا وہ واقعی خدا کا بیٹا ھے اور کیا خدا تعالیٰ بیٹے کا محتاج ھے اور کیا وہ ایک معصوم شخص کو سزا دے کر دنیا کو نجات دلانے میں حق پر ھے کیا وہ باپ ھو کر بیٹے کا خون پینا پسند کرتا ھے ۔ وہ ایسا کرنے سے نہ تو رحیم و کریم ھی ثابت ھوتا ھے اور نہ ھی منصف و عادل ۔

۳- کیا وہ ایسی غیر معقول تجویز کرنے کے بغیر معاف نہیں دے سکتا تھا ؟ کیا وہ رحیم' کریم' ستار' غفار نہیں ھے ؟ اور انتقام لے لینے کے بعد معاف کر دینے کا سوال ھی پیدا نہیں ھوتا ۔ العجب العجب ! پھر ایک انسان کے مصلوب ھو جانے سے انسانیت کے اخلاق کس طرح درست ھو سکتے ھیں ان امور پر غور کرنے سے معلوم ھوتا ھے کہ عیسائیوں

نے ایک غلط نظریہ قائم کیا اور اس پر ایک غلط عمارت تعمیر کر دی ۔ انسان کو فطرتاً گنہگار قرار دینا انسان کی انتہا درجہ کی ھتک ہے ۔ جب گرجا میں لارڈ بشپ اور دوسرے عہدیداروں کو نوجوان لڑکے لڑکیاں کے سامنے یہ الفاظ دھراتے ھوئے سنتے ھیں ۔ Forgive us miserable sinners تو ان کے دلوں پر بہت برا اثر پڑتا ہے اول تو وہ ان بزرگ مذھبی لیڈروں کو گنہگار یقین کرنے لگتے ھیں اور یہ الفاظ ان کی قوت متخیلہ کو حرکت میں لاتے ھیں اور وہ سوچنے لگتے ھیں کہ یہ عبادت کرنے والے بزرگ خدا جانے کیا کیا سیاہ کاریاں کرتے رھتے ھیں جو ھر عبادت میں اپنے سیاہ کار ھونے کا اعتراف کرتے ھیں ۔ اندریں حالات اگر نوجوان لڑکے لڑکیاں گناہ کی زندگی اختیار کریں تو وہ اپنے تئیں معذور سمجھنے لگتے ھیں اور وہ خدا کو بھی کوستے ھیں جس نے ان کو فطرتاً گنہگار پیدا کیا ۔ ان حالات کے پیش نظر اسلام انسانیت کی دستگیری کے لئے آیا اور اس نے اس کو فطرتاً نیک اور صالح قرار دیا اور یہ حوصلہ افزا اعلان کیا ولقد کرمنا بنی آدم یعنی ھم نے بنی آدم کو صاحب بزرگی اور قابل عزت بنایا ہے ۔

حکومت جمہوریہ

جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو نہایت معقول اور مفید مذہب عطا کیا اور جس طرح انھوں نے فقید المثال اخوت کا سلسلہ قائم کیا اسی طرح حضور علیہ الصلواۃ و السلام نے نہایت ھی معقول و مفید طرز حکومت کی بنیاد رکھی - اس طرز حکومت کا نام حکومت جمہوریہ ھے -

اولیت

دنیا بھر میں سب سے پہلا شخص جس نے جمہوری حکومت قائم کی وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ھیں - حضور سے پہلے دنیا میں جس قدر بادشاہ ھوئے یا اُس وقت موجود تھے وہ سب مطلق العنان تھے - ایران ، شام و مصر کے بادشاھوں کی طرز حکومت حضور کے سامنے تھی - وہ بادشاہ جو چاھتے تھے کرتے تھے اور جس طرح چاھتے تھے ملک و ملت کا روپیہ صرف کرتے تھے اور جتنا روپیہ چاھتے اپنی ذات پر اور اپنے اقرباء کے لئے وقف کر دیتے تھے - ان کی رعیت کی زندگی غلامانہ زندگی تھی - رعیت کے لوگوں کو آزادی کی برکات سے کلیتاً محروم رکھا جاتا تھا - لیکن حضور نبی کریم

وہ بادشاہ ہیں جنہوں نے خود بخود جمہور کو آزادی عطا کی اور ان کو امور سلطنت طے کرنے کی تعلیم دی - ایسی سلطنت کے قیام کے لئے ان کی رعایا کی جانب سے کسی قسم کی تحریک ظہور میں نہ آئی تھی - ایران و شام و مصر کے بادشاہ ان کے ہمسائے تھے - ان حکمرانوں کے باشندے اپنے بادشاہوں کا وہ احترام کرتے تھے جو بعض حالتوں میں صرف خدا کو ہی شایاں ہو -

اندریں حالات وہ عظیم الشان شخصیت جس کو سلطنت کی حکمرانی حاصل ہونے کے علاوہ دلوں پر بھی حکومت حاصل تھی ' انسانوں کو آزادی عطا کرنے کے لئے اور ان کو آزادی کی نعماء و برکات سے متمتع کرنے کے لئے مطلق العنانی کی بجائے جمہوری سلطنت قائم کرتا ہے - اس کو کہتے ہیں اخلاق فاضلہ پر متمکن ہونا اور اس کو کہتے ہیں انسانیت کا حقیقی خیر خواہ ہونا -

یورپ میں جمہوریت قائم کرنے والے یورپ کے بادشاہ نہ تھے بلکہ رعایا نے صدیوں حقوق کے لئے بادشاہوں سے حقوق کے حصول کے لئے جنگیں لڑیں اور آہستہ آہستہ اپنے حقوق حاصل کئے اور آہستہ آہستہ جمہوری سلطنت

قائم کی - لیکن رسول اکرم نے رعایا کی تجویز یا کوشش کے بغیر خود بخود سلطنت کی باگ ڈور اہالیان ملک کے سپرد کر دی - کون نہیں جانتا کہ حضور کو سلطنت تو نصیب ہوئی لیکن بے حد تکالیف برداشت کرنے کے اور قربانیاں دینے کے بعد - ان کے اقربا میدان جہاد میں شہید ہوئے اور حضور خود بھی احد کی جنگ میں بری طرح زخمی ہونے کے باعث بیہوش ہو کر گڑھے میں گر گئے تھے - حضور نے انسانیت کی بہبود کی خاطر تمام قسم کے مصائب برداشت کئے تھے اور بے انداز قربانیوں کے بعد سلطنت حاصل کی تھی - تو بجائے اس کے کہ اپنی اور اپنے رشتہ داروں کے لئے مطلق العنان حکومت قائم کرتے ' حضور نے سلطنت کی باگ ڈور عامۃ المسلمین کے حوالے کر دی -

پارلیمنٹ کا قائم کرنا

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو اس اہم امر میں بھی اولیت حاصل ہے کہ انہوں نے ایسی سلطنت قائم کی جس میں جمہور کی رائے کے مطابق امور سلطنت انجام پاتے تھے - چنانچہ حضور اکثر اپنی قوم سے مشاورت کیا کرتے

تھے - یہ طریق اختیار کرنے کی بابت قرآن کریم میں یہ حکم ہے :

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ

یعنی امور سلطنت سے متعلق قوم سے مشورہ لیا کریں - چنانچہ حضور ایسا ہی کیا کرتے تھے اور اکثریت کی رائے پر فیصلے ہوتے اور بعض اوقات حضور کی رائے کے خلاف بھی فیصلے ہوتے تھے تاہم حضور نے اکثریت کی رائے پر عمل درآمد کرکے دکھا دیا اور ایسا اس لئے کیا تاکہ یہ اصول قائم کیا جائے کہ بڑے سے بڑے شخص کے لئے بھی لازم ہے کہ وہ اکثریت کی رائے کے سامنے اپنی رائے کو ترک کر دے اور اکثریت کے فیصلہ پر کار بند ہو جائے - صحیح جمہوریت اسی کا نام ہے اور جمہوریت کا ایک ضروری رنگ یہ ہے کہ سلطنت کا سر براہ قوم کی مرضی اور قوم کے انتخاب سے مقرر کیا جائے اور وہ اپنے اعمال کے لئے قوم کے سامنے جوابدہ ہو - چنانچہ جب حضرت ابی بکر خلیفہ مقرر ہوئے تو انھوں نے اپنی پہلی تقریر میں اپنی اور قوم کی باہمی پوزیشن کو واضح الفاظ میں بیان کر دیا - فرمایا :

يَا يُّهَا النَّاسُ اِنِّی وَلِیتُ اَمْرَکُم وَلَستُ بِخَیرِکُم

اے لوگو ! قوم کی امارت میرے سپرد کی گئی ہے حالانکہ میں آپ سب سے بہتر نہیں ہوں -

اَطِیعُونِی مَا اَطَعتُ اللہ وَ رَسُولَہٗ

میری اطاعت اسی صورت میں جائز ہوگی جب کہ میں اللہ اور رسول کے احکام کی پابندی کرتا ہوا نظر آؤں :

فَاِنْ زِغتُ فَقَوِّمُونِی

اگر میں ٹیڑھا چلوں تو آپ کی ذمہ داری ہوگی کہ مجھے سیدھا کر دیں - قوم نے جواب میں پوری طرح اپنی ذمہ داری کا اظہار کرتے ہوئے کہا :

اِن زِغتَ لَقَوَّمنَاكَ بِاَسِنَّةِ رِماحِنَا

اگر آپ ٹیڑھا چلتے ہوئے پائے گئے تو ہم آپ کو اپنے نیزوں کی نوکوں سے سیدھا کردیں گے - حضرت ابوبکر نے یہ بھی اعلان کیا کہ میں اس وقت تک چین نہ لوں گا جب تک کمزور شخص کا حق اس طاقت ور شخص سے اس کو واپس نہ دلا دوں جس نے اس کا حق چھین رکھا ہو- حضرت ابوبکر

کا یہ گرانقدر ارادہ حضور نبی کریم کے ایک ارشاد پر مبنی تھا - حضور نے اس ضمن میں فرمایا تھا :

لَا يُقَدِّسُ اللّٰهُ اُمَّةً لَا يَأْخُذُ الضَّعِيْفُ حَقَّهٗ مِنَ الْقَوِيِّ

یعنی وہ قوم بابرکت نہیں ہو سکتی جس میں ایسی صورت حال پائی جائے کہ ان میں کا ضعیف شخص طاقتور شخص سے اپنا حق نہ لے سکتا ہو - حضور نبی کریم نے اور حضور کی اتباع میں حضرت ابوبکر نے اپنے اس ارادے کا اظہار کیا کہ میرے عہد سلطنت میں لوگوں کے حقوق بالکل محفوظ ہوں گے - اگر کسی کی حق تلفی ہوئی تو اس کا تدارک کرنا میرے فرائض منصبی میں شامل ہوگا - اس قسم کا اعلان دلوں میں طمانیت پیدا کرتا ہے اور قوم میں امن و امان قائم رکھنے کی روح پھونک دیتا ہے اور رعایا کو وفادار بنا دیتا ہے - حضرت ابوبکر نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے احکام کی فرمانبرداری کرتے ہوئے لوگوں کو آزادی رائے کا حق دے رکھا تھا - ہر چھوٹا بڑا انسان اپنی رائے کا اظہار کر سکتا تھا اور خلفاء راشدین نے ہمیشہ اپنے

لوگوں کی حوصلہ افزائی کی ۔ چنانچہ حضرت ابوبکر نے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد بلال کو اذان دینے کو کہا تو انھوں نے جواب دیا :

اِن اَعْتَقْتَنِیْ لِنَفْسِکَ فَذَا لَکَ السَّبِیْل

یعنی اگر آپ نے اپنی ذات کی خدمت کے لئے مجھے آزاد کرایا تھا تو اس صورت میں آپ کے ارشاد کی تعمیل کے لئے حاضر ہوں :

وَ اِنْ اَعْتَقْتَنِی لِلّٰہِ

اگر آپ نے مجھے خدا کے لئے آزاد کرایا تھا تو :

فَخَلِّنِی وَ مَنْ اَعْتَقْتَنِی لَہٗ

تو اس صورت میں معاملہ میرے اور میرے خدا کے سپرد کر دیں ۔ اس پر حضرت ابوبکر نے فرمایا :

بَلْ اَعْتَقْتُکَ اللّٰہ

میں نے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لئے آزاد کرایا ۔ اس پر بلال بولے ۔

اِذاً لَا اُؤَذِّنُ لِاَحَدٍ بَعْدَ وَفَاتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ

پھر میں تو حضور نبی کریم کی وفات کے بعد کسی کے لئے اذان نہیں دوں کا - اس پر حضرت ابوبکر نے فرمایا :

فَالْاَمْرُ اِلَیْکَ

آپ کو اختیار ہے -

حضرت عمر نے بھی ایسا ہی اعلان کیا تھا جس سے یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ مسلمان بادشاہ قوم کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے اور انھوں نے بھی حضرت ابوبکر کی مانند اس اہم امر کو اپنے سامنے رکھا کہ کسی شخص کی حق تلفی نہ ہونے پائے - دونوں خلیفے اپنے اصولوں پر سختی سے پابندی کرتے تھے اور دونوں خلیفے سمجھتے تھے کہ ہم اپنے اعمال کے لئے قوم کے سامنے جواب دہ ہیں - چنانچہ جب کبھی ان سے کسی معاملہ میں جواب طلبی کی گئی تو انھوں نے ہر موقعہ پر خندہ پیشانی سے اس کا جواب پیش کیا اور کبھی بھولے سے بھی اشارۃ یا کنایۃ اعتراض کرنے والے پر ناراضگی کا اظہار نہ کیا - کیونکہ ناراضگی کے اظہار سے بادشاہ کی اصلاح کا دروازہ بند ہو جاتا ہے - وہ فرماتے تھے :

مَنْ رَأَیٰ فِیَّ عِوَجاً فَلْیُقَوِّمْهُ

جو شخص میرے اندر ٹیڑھاپن دیکھے اس کو چاہیے کہ اس کو سیدھا کر دے - چنانچہ ایک دفعہ حضرت عمر برسر منبر قوم کو مخاطب کر رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا

لَا سَمْعاً وَ لَا طَاعَةً

ہم آپ کی نہ بات سننے کے لئے تیار ہیں اور نہ ہی اطاعت کرنے کے لئے جب تک آپ اس بات کا جواب نہ دیں کہ اگلے دن کچھ چادریں آئی تھیں جو ہم سب میں تقسیم کر دی گئی تھیں - اس وقت آپ کے حصے میں بھی صرف ایک چادر آئی تھی اور ایسی ایک چادر آپ جیسے لمبے قد کے شخص کی قمیص کے لئے کفایت نہیں کر سکتی - ہمیں اس سے آپ کے متعلق شبہ ہوا ہے - آپ صفائی پیش کریں - حضرت عمر نے اپنے بیٹے عبد اللہ کو مخاطب کرکے کہا آپ اس کا جواب دیں - انہوں نے بیان کیا کہ ایک چادر میرے حصہ میں بھی آئی تھی - میں نے ابا جان کو اپنے حصہ کی چادر دے دی تھی تاکہ دو چادروں سے ان کی قمیص تیار ہو سکے - اس پر معترض نے کہا :

اَلْاٰنَ سَمْعاً وَ طَاعَةً

لیکن نہ ہی حضرت عمر نے معترض کو ملامت کی اور نہ ہی کسی اور نے - اسی طرح کا ایک اور معاملہ ہے - حضرت عمر ایک دن اپنے خطبہ میں اس بات پر زور دے رہے تھے کہ عورتوں کے مہر کم ہوں زیادہ نہ ہوں - اس پر ایک عورت جو اس مجمع میں حضرت عمر کا خطبہ سن رہی تھی بول اٹھی - اس نے کہا :

یا ابن الخطاب اللّٰہُ یُعْطِینَا وَ اَنْتَ تَمْنَعُنَا

یعنی اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ مہر زیادہ بھی ہو سکتا ہے اور آپ زیادہ مہر مقرر کرنے کے خلاف تلقین کر رہے ہیں اس عورت نے اپنے خیال کی تائید میں یہ آیت پڑھی :

وَ اٰتَیْتُمْ اِحْدَاھُنَّ قِنْطَاراً فَلَا تَاْخُذُوہُ

یعنی اگر تم کسی عورت کو سونے کا ڈھیر بھی بطور مہر کے دے دو تو تم اس کو واپس مت لو- یہ معقول اعتراض سن کر حضرت عمر نے بجائے اس کے کہ عورت کے اس اعتراض پر خفا ہوں! جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ خلیفۂ وقت قرآن کریم کے خلاف وعظ کر رہا ہے، اپنی غلطی کو بر سر منبر

تسلیم کیا اور معترض عورت کی ان الفاظ میں تعریف کی :

انّ نسَاءَ المَدِینَة أفقَہُ منْ عُمر

یعنی مدینہ کی عورتیں بھی عمر سے زیادہ دین جانتی ھیں ۔

قصہ کوتاہ یہ کہ حضور علیہ السلام نے جمہوری حکومت قائم کی جس کے معنے یہ ھوتے ھیں کہ بادشاہ وقت قوم کے انتخاب سے مقرر کیا جائے اور بادشاہ اپنے اقوال و افعال کے لئے قوم کے سامنے جواب دہ ھو ۔ اور اس کی فرض شناسی کا یہ عالم ھو کہ وہ کسی صورت میں بھی یہ نہ برداشت کر سکے کہ کسی غریب سے غریب شخص کا حق تلف ھوتا ھے ۔

حضور نبی کریم نے اور ان کے خلفاء راشدین نے اپنے عمل سے اس بات کا ثبوت دیا کہ قوم کا ھر فرد پوری آزادی سے ان کے خلاف رائے رکھ سکتا ھے اور اپنی رائے کا پوری آزادی سے اظہار بھی کر سکتا ھے اور انھوں نے اپنے عمل سے ثابت کیا کہ ان کی حکومت میں لوگوں کے حقوق بالکل محفوظ ھیں اور لوگ امن امان اور آزادی کی زندگی بسر کرتے ھیں ۔

جمہوری حکومت کی بنیاد قرآن کریم کی جن آیات پر رکھی گئی ہے وہ یہ ہیں :

يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيكُمْ اَنْبِيَاءَ وَ جَعَلَكُمْ مُلُوكًا

یعنی سب سے بڑی نعمتیں دو ہی ہیں۔ ایک نبوت ہے اور دوسری بادشاہت ہے۔ نبوت مخلوق خدا کو خدا تعالیٰ کی رضاء کی راہوں سے روشناس کرتی ہے جن پر چل کر لوگ با خدا ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے لئے اور اپنے ہم جنسوں کے لئے برکت کا باعث ثابت ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ سب سے بڑی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی راہبری کے لئے عنایت فرمائی۔ دوسری نعمت بادشاہت ہے۔ بادشاہت اگر صحیح خطوط پر چلائی جائے تو یہ عامۃ الناس کے امن و امان کے لئے اور ان کی بہبود اور ترقی کے لئے نہایت مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نبوت تو ہم بعض بعض افراد کو عطا کرتے ہیں لیکن بادشاہت قوم کی قوم کو بخشتے ہیں جیسا کہ جعل فیکم انبیاء سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم میں سے بعض افراد کو نبوت

ملتی ہے اور جیسا کہ جعلکم ملوکا سے عیاں ہوتا ہے کہ بادشاہت ساری کی ساری قوم کی ملکیت ہوتی ہے - یہ وہ فرمان الٰہی ہے جس پر حضور نبی کریم نے جمہوری حکومت کی بنیاد رکھی تھی - جمہوریت طرزحکومت کے ارتقاء کا آخری نقطہ ہے جس تک حضور نبی کریم صلعم نے طرز حکومت کو پہنچایا اور جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے اس معاملہ میں اولیت کا تاج انھی کے سر کو مزین کرتا ہے -

حکومت اور سادگی

حضور نبی کریم نے جب سارے عرب کو سر کر لیا اور اس ملک کے فرماں روا بن گئے تو ان کی تاج پوشی یا تخت نشینی کس طرح عمل میں آئی - امر واقع یہ ہے کہ نہ ھی کوئی تاج پوشی عمل میں آئی اور نہ ھی تخت نشینی کی رسم ظہور میں آئی - حضور نے اس موقع پر اپنے لئے یا اپنے اقرباء کے لئے ملبوسات فاخرہ تیار نہ کرائے تھے بلکہ مستعمل لباس زیب تن تھا - مستعمل عمامہ ھی ان کا تاج رہا اور مسجد کی چٹائی ھی ان کا تخت رہی - ملک کے کسی حصہ میں نہ ھی چراغاں کیا گیا اور نہ ھی جلوس نکالے گئے

اور نہ ھی کوئی روپیہ زیب و زینت یا شان و شوکت کی نمود کے لئے صرف کیا گیا تھا - نہ پبلک ٹریژری پر مصارف کا کوئی بوجھ پڑا اور نہ ھی پرائیویٹ جیبوں پر - حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاھوں اور حکمرانوں کے لئے اس اھم معاملہ میں نہایت ھی قیمتی نمونہ قائم کر دکھایا - نہ ھی حضور نے اپنے لئے کوئی محل تعمیر کرایا نہ ھی باورچی رکھا اور نہ کوئی برتن خریدے - نہ ھی اپنے لئے کوئی جائیداد پیدا کی اور نہ ھی اقرباء کے لئے کوئی جاگیر مقرر کی - وہ خدا پرست تھے اور نفس پرست نہ تھے - عیش و عشرت کی زندگی اختیار کرنے کی بجائے جس طرح بادشاھت حاصل ھونے سے پیشتر ھمیشہ رات کے دو تین بجے اٹھ کر عبادت الٰہی میں مصروف ھوتے تھے اسی طرح سلطنت کے حصول کے بعد بھی ھر رات کو ھمیشہ اٹھکر خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے رھے اور رات کی اس عبادت کے بعد سو جانے کی بجائے ھمیشہ سورج کے طلوع ھونے سے سوا گھنٹہ پیشتر مسجد میں آ کر صبح کی نماز میں امامت کے فرائض ادا کرتے رھے - نفس پرست یا عیش و عشرت کے دلدادہ لوگ اس طرح کی زندگی کبھی بھی اختیار نہیں کر سکتے - ایسی بے نفس

زندگی کے اختتام پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دو چادریں باہر لے کر آئیں اور کہا کہ حضور نے ان چادروں میں رحلت فرمائی اور حضرت عائشہ نے کہا :

مَا تَرَکَ رَسُوْلُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عِنْدَ وَفَاتِہ شَاۃً وَلَا بَعِیْراً وَلَا دِرْھَماً وَلَا دِیناراً وَلَا اَمَۃً وَلَا عَبْداً

دنیا کے بادشاہ اور حکمران اس بلند پایہ شخصیت کی قربانیوں پر نظر ڈالیں اور ان کامیابیوں پر نظر ڈالیں جو انھوں نے قوم کے لئے حاصل کیں اور اس بے لوث زندگی پر نظر ڈالیں جو ابتداء سے لے کر انتہا تک ذاتی مفاد اور ذاتی اغراض سے بالکل پاک صاف رہی۔ اپنے بعد یہ تلقین نہ فرمائی کہ سلطنت میرے وارثوں کو سپرد کی جائے بلکہ سلطنت کا بادشاہ یا خلیفہ مقرر کرنا جمہور کے اختیار میں چھوڑا۔ خلیفہ اس کو منتخب کیا جائے گا جو قوم کی نظر میں بہتر سمجھا جائے گا۔

غرباء کا حصہ پبلک ٹریژری

حضور نبی کریم ﷺ پہلے شخص ہیں جنھوں نے

بیت المال میں غرباء کا حصہ رکھ دیا تھا ۔ یہ قیمتی اور لاجواب اولیت بھی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ہی حصہ میں آئی - اپنے لئے اور اپنے اقرباء کے لئے تو کوئی جاگیر مقرر نہ کی ۔ کچھ کیا تو غرباء کے لئے کیا ۔ فرمایا :

اَلَا تُنْصَرُوْنَ وَ تُرْزَقُوْنَ بِضُعَفَائِکُمْ

خدا ضعفاء و غرباء کی برکت سے تمہاری نصرت کرتا اور تمھیں دولت و رزق عطا کرتا ہے

اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمُکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ

زمین والوں پر رحم کرو تاکہ آسمان والا تم پر رحم کرے اور لوگوں کو توجہ دلائی کہ خدا کو پانا ہو تو وہ غرباء میں ملتا ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے :

وَ ابْغُوْنِیْ فِی الضُّعَفَاءِ

غرباء کی امداد کرنے سے خدا ملتا ہے اور قوم کی حالت سنورتی ہے ۔ قران کریم کی وہ آیات جن کی رو سے غرباء کے لئے بیت المال میں حصہ مقرر ہوا یہ ہیں :

(۱) وَ اعْلَمُوْا اِنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ لِلّٰہِ

خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتَامٰی وَ الْمَسَاکِیْنِ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ (الانفال ۸ آیت ۴۲)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جو مال بھی بطور غنیمت سلطنت کے ہاتھ آئے اس میں یتامیٰ، مساکین اور مسافروں کی خبر گیری کے لئے حصہ رکھ دیا گیا ہے

(۲) مَا اَفَاءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی ۔ للہ و للرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتَامٰی وَ الْمَسَاکِیْنِ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَاءِ مِنْکُمْ (الحشر ۵۹ آیت ۷)

اس آیت کریمہ میں بھی یتامیٰ، مساکین کی بہبود کے لئے حصہ مقرر کر دیا گیا ہے اور اس حکم کے علاوہ ایک نہایت اہم اور قیمتی اصول بیان کیا گیا ہے کہ دولت کا چند اغنیاء کے ہاتھوں میں چکر لگاتے رہنا مفید نہیں ہوتا۔ خبردار ایسا نہ ہونے پائے کہ غنیمت کے اموال صرف اہل ثروت کو ہی عطا کر دیے جایا کریں ۔

(۳) اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ
وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي
الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنَ السَّبِيْلِ
فَرِيْضَةً مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ

(التوبۃ ۹ آیت ٦)

اس آیت کریمہ میں حکومت کے لئے بھی چند احکام ہیں ۔ حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ غرباء کی بہبود اور خبر گیری کی خاطر قوم پر ٹیکس لگائے اور اس ٹیکس کے فراہم کرنے کے لئے تحصیلدار مقرر کرے اور فرمایا کہ ٹیکس لگانے کی غرض یہ ہے :

تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ ۔

یعنی حیات اجتماعیہ متقاضی ہے کہ امراء سے ٹیکس حاصل کیا جائے اور اس کو فقراء میں تقسیم کر دیا جائے ۔ ایسا کرنے سے قوم کا محتاج حصہ تباہ ہونے سے بچ کر قوم کے لئے مفید ثابت ہوتا ہے ۔

زکوۃ کا فراہم کرنا

اسلام ایک اجتماعی نظام قائم کرنے کی تعلیم دیتا ھے۔ یہ نظام متقاضی ھے کہ زکوۃ کے فراھم کرنے کا اھتمام باقاعدگی سے چلایا جائے اور اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لیے ایک محکمہ مقرر کیا جائے اور اس کے ذریعہ سے فراھم کردہ مال منظم طریق پر صرف کیا جائے۔ اور اس محکمہ کے مقرر کرنے کی غرض یہ بھی ھے کہ زکوۃ کا ادا کرنا دولت مندوں کی اپنی رضا و رغبت پر نہ چھوڑ دیا جائے۔ ان آیات کے علاوہ حضور علیہ الصلواۃ و السلام نے ذیل کا اھم اعلان فرمایا :

مَنْ مَاتَ مِنْکُمْ وَ تَرَکَ مَالاً فَلِوَرَثَتِہِ۔

جو شخص تم میں سے فوت ھو جائے اور وہ اپنے پیچھے مال چھوڑ جائے تو وہ مال اس کے وارثوں کا ھوگا۔ لیکن اگر تم میں سے کوئی شخص مر جائے اور پیچھے مال چھوڑنے کی بجائے قرض چھوڑ جائے یا چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ مرے تو وہ میرے پاس آجائیں۔ ان کا پالنا اور تربیت کرنا میرے ذمہ ھوگا اور اس کے قرض کا ادا کرنا بھی میرے ذمہ ھوگا۔

اس بارے میں حضور کے الفاظ یہ ھیں :

مَنْ مَاتَ مِنْکُمْ وَ تَرَکَ دَیْناً اَوْضِیَاعاً فَالَیَّ وَ عَلَیَّ ۔

یہ اعلان قوم کو زندہ رکھتا اور دلوں میں اطمینان پیدا کرتا ھے ۔ جب قوم کے افراد کو یقین ھو جائے کہ ھمارا بادشاہ ھمارے اھل و عیال کا سچا ھمدرد اور ان کا کفیل ھے تو وہ قومی مفاد کی خاطر ضرور اپنی جان و مال قربان کرنے کے لئے آمادہ رھیں گے ۔

یہ اعلان فلسفۂ حیات اجتماعیہ کا حامل ھے ۔ اس کی تلقین کرنے والا دنیا بھر کے بادشاھوں میں سب سے پہلا بادشاہ ھے جس نے قوم سازی کا نہایت صحیح اور مضبوط اصول جاری کیا ۔ حضور نے اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ایک حکم دھرایا اور کہا خدا تعالیٰ نے ذیل کی آیت کریمہ میں مجھے ایسا کرنے کا حکم دے رکھا ھے :

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ ۔

یعنی پیغمبر اسلام کے دل میں قوم کی خیر خواھی کی تڑپ اس حد تک ھے جس حد تک قوم خود اپنی بھلائی کے لئے

اقدام نہ کر سکتی ہو۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ میں لوگوں میں اموال تقسیم کرنے میں کسی قسم کا احسان نہیں کرتا۔ میں تو صرف خزانچی ہوں - اصل معطی تو اللہ تعالیٰ کی جناب ہی ہے۔ حضور کے الفاظ یہ ہیں :

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَ خَازِنٌ وَ اللّٰہُ ھُوَ الْمُعْطِی ۔

اس اعلان میں قوم کی عزت نفس کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس اعلان میں حضور نبی کریم کے اخلاق فاضلہ کی ایک جھلک نظر آتی ہے -

Conscription ۔ حیات اجتماعیہ کے لئے فرمایا انما المومنون اخوۃ ، یعنی مومن حقیقی طور پر بھائی بھائی ہین۔ اس حیات اجتماعیہ کو باعزت بنانے اور مفید بنانے کے لئے غریب و نادار حصہ کی اقتصادی حالت درست رکھنے کی غرض سے وہ احکامات جاری کئیے جن کا ذکر ابھی ہوا ہے۔ اس کے علاوہ حیات اجتماعیہ کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ وہ ہے ملک ، وطن و دین و ملت کی حفاظت کا کام - اس اہم اور ضروری پہلو کے پیش نظر حضور نے حکم دیا ہے کہ ہماری قوم کے تمام افراد پر بلا استثناء یہ فریضہ عائد ہوتا

ہے کہ ہم سب کے سب ملک و وطن ' دین و ملت کی دفاع میں شریک ہوں اور اس اہم خدمت کے لئے جان و مال کی قربانی کرنے سے دریغ نہ کریں - اس کام کی اہمیت کے پیش نظر حضور نے حسب عادت اپنا نمونہ قوم کے سامنے پیش کیا - حضور خود بنفس نفیس میدان جہاد میں شریک کار ہوا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے :

لَوَدِدْتُ اَنِّیْ اُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ -

یعنی میری تڑپ یہ ہے کہ میں خدا کے رستے میں جان قربان کروں - اگر پھر زندہ کیا جاؤں تو پھر جان عزیز کو قربان کردوں اور پھر زندہ کیا جاؤں تو پھر ایسا ہی کروں - حضور کا یہ جذبہ حضور کے اقرباء میں بھی منعکس نظر آتا تھا - چنانچہ حضور کے ساتھ ان کے شجاع چچا ' ان کے شیر دل بھائی حضرت علی اور ان کے بہادر بھائی جعفر اور ان کے جوانمرد پھوپھی زاد بھائی زبیر اور جانباز عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب حضور کے شانہ بشانہ میدان کارزار میں اترتے تھے اور حضور کے عظیم المرتبت صحابہ حضرت

ابوبکر اور حضرت عمر، حضرت عثمان اور عبدالرحمن بن عوف، خالد بن ولید، ابوموسیٰ اشعری، عمرو ابن العاص وسعد بن ابی وقاص، ابو عبیدہ بن الجراح و معاذ بن جبل و سعد بن معاذ و سعد بن عبادہ، کعب بن مالک، طلحه و سعد بن الربیع وغیرهم بڑے شوق و ذوق سے جام شہادت پینے کی غرض سے جہاد میں شریک ہوتے تھے - غرض ملت اسلامیه کے ہر چھوٹے بڑے فرد کا دل اس جذبه سے معمور تھا که ہم کو شہادت جیسی نعمت عظمیٰ نصیب ہو -

Conscription یا جبری بھرتی کا لفظ اس نظام عسکری پر صادق نہیں آتا جو حضور نے قائم کیا تھا - جبری بھرتی تو بادشاہ کے حکم سے عمل میں آتی ہے لیکن یه بھرتی اپنے اندر آزادی کی روح لئے ہوئے تھی - ہر شخص پوری نشاط اور مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ جہاد میں حصه لیتا تھا - اس فقیدالمثال نظام کے قائم کرنے کی اولیت بھی رسول کریم ﷺ کے حصے میں آئی- موجودہ زمانه کی جبری بھرتی کسی صورت میں بھی اسلامی فوجی بھرتی کا مقابله نہیں کر سکتی - آج کی فوجی بھرتی جبری ہوتی ہے، لیکن

اسلام کی فوجی بھرتی رضاکارانہ ہوا کرتی تھی آج کی جبری بھرتی میں استثنائی صورتیں دیکھنے میں آتی ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فوجی بھرتی پوری طور پر جمہوریت کا رنگ رکھتی تھی کیونکہ حکمران طبقہ اور مقتدر اور ذی اثر اصحاب سب سے پہلی صف میں سرگرم جہاد نظر آتے تھے۔

حکومت

حضور نبی کریم کو حکم ہوا وشاورھم فی الامر یعنی چونکہ بادشاہت قوم کی ملکیت ہے اس لئے حکومت کے امور بھی قوم کے مشورہ سے سرانجام دیے جائیں ۔ چنانچہ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے حضور نے جمہوری نظام حکومت قائم کیا اور پارلیمنٹ کی بنیاد رکھی ۔

حضور نے اس قیمتی اصول کو بھی قائم کیا کہ بادشاہت کسی ایک خاندان کی وراثت نہ ہو بلکہ انتخاب کے ذریعہ عنان حکومت قوم کے بہترین فرد کے سپرد کی جائے۔ اور جو شخص منتخب ہو وہ قوم کی مشاورت سے امور سلطنت سر انجام دیا کرے ۔ اسی کو حقیقی جمہوریت کہا جا سکتا ہے ۔

بادشاہ یا خلیفۃ المسلمین کی رھنمائی کے لئے قواعد حسب ذیل ھیں :

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَاۤءِ ذِی الْقُرْبٰی وَ يَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاۤءِ وَالْمُنْكَرِ وَ الْبَغْیِ ۔

(النحل ۱۶ - آیت ۹۰)

اللہ تعالیٰ حکمران کو حکم دیتا ھے کہ پورے عدل و انصاف سے حکومت کرو - مزید براں عدل کرنے کے علاوہ احسان و مروت کا برتاؤ کیا کرو ۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ تمام قسم کے فواھش طریقوں سے بچنے کا حکم دیتا ھے اور یہ حکم بھی دیتا ھے کہ ایک دوسرے پر زیادتی نہ کی جائے اور فرمایا :

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهْلِهَا

(النساء ۴ - آیت ۶۱)

حکمران کے انتخاب کے وقت یا مشیروں اور اھل کاروں کے انتخاب کے معتلق یہ ضروری ھدایت مدنظر رھنی چاھیے کہ اھلیت رکھنے والے اشخاص کے ھاتھوں میں قوم کے کاروبار کی عنان سپرد کی جائے ۔ کیونکہ نا اھل انسان بجائے فائدہ کے

نقصان پہنچاتا ہے ۔ حضور نے اس ضمن میں فرمایا :

اذا وسد الامر الی غیر اھلھا فانتظر الساعة ۔

جب حکومت کا کام نا اھل ھاتھوں میں دے دیا جائے تو بربادی دروازے پر آ کھڑی ھوتی ہے ۔ اور جو لوگ حکومت کے اھل قرار دئے جائیں ۔ ان کو حکم دیا :

اذا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ فَاحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ

(النساء ۴ آیت ۶۱)

یعنی جب تم عدل کی کرسی پر بیٹھو تو عدل اور انصاف کرنا تمھارے پیش نظر رھے ۔ اسی طرح حضرت داؤد کو حکومت کرنے کے بارہ میں ایسی ھی قیمتی ھدایات دی گئی تھیں ۔

یَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۔ (ص ۳۸ آیت ۲۵)

اے پیغمبر داؤد! آپ کو نبوت کے ساتھ بادشاھت بھی عطا کی گئی ہے ۔ اس کی غرض یہ ہے کہ لوگوں پر عدل و انصاف

سے حکومت کرو ۔ اس نازک امر میں اپنی نفسانی اغراض اور ذاتی مفاد کے حصول کا ارادہ مت کرنا اگر ایسا کرو گے تو جادۂ ثواب سے بھٹک جاؤگے ۔ یاد رکھو نہ تو ذاتی اغراض آپ کے سامنے ہوں اور نہ ہی عزیز و اقرباء کو فوائد پہنچانا تمہارا مقصود ہو اور نہ ہی اپنے ہمنواؤں کی بے جا رعایت کرنا ملحوظ ہو ۔ اگر ایسا کرو گے تو بربادی آئے گی اور باوجود نبوت کا مقام حاصل ہونے کے آپ زیر عتاب اور زیر عذاب آ جاؤگے ۔ یہ ہے سیاست کا وہ بلند نظریہ جو بادشاہوں اور حکمرانوں کو سامنے رکھنا چاہیے ۔

سیاست کے متعلق مزید ہدایات

یَا یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا کُوْنُوا قَوَّامِیْنَ بِالْقِسْطِ
شُھَدَاءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ

(النساء ۴ آیت ۱۳۴)

اے ایمان والو ! مضبوطی کے ساتھ عدل و انصاف کرنے والے بنو اور خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے سچی گواہی دیا کرو ۔ اگرچہ انصاف کرنا تمہاری ذات ہی کے خلاف

کیوں نہ ہو ، اگرچہ انصاف کرنا تمھارے والدین کے ھی خلاف کیوں نہ ہو، اگرچہ انصاف کرنا تمھارے اقارب کے ھی خلاف کیوں نہ ھو ۔ اور فرمایا :

اِنْ یَکُنْ غَنِیّاً اَوْ فَقِیْراً فَاللّٰہُ اَوْلٰی بِہِمَا

دولت مند کے اثر رسوخ کا لحاظ نہ ھو اور نہ ھی انصاف کرتے وقت غریب پر رحم کرنے کا سوال تمھارے سامنے ھو ۔ فاللہ اولی بہما خدا تعالیٰ ان پر تمھاری نسبت زیادہ مہربان ھے ۔ تم کسی صورت میں بھی جادۂ عدل و انصاف سے منحرف ھونے کا ارادہ نہ کرو ۔ اور فرمایا :

فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰی اَنْ تَعْدِلُوْا

ایسا نہ ھو کہ کسی خواھش کو پورا کرنے کی وجہ سے عدل و انصاف ھاتھ سے دے دو ۔ اور فرمایا :

وَاِنْ تَلْوٗا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا (النساء ۴ آیت ۱۳۴)

تم گواھی دیتے وقت یا فیصلہ دیتے وقت بات کے توڑنے مروڑنے کا طرز طریق اختیار نہ کرو اور فرمایا :

وان تُعۡرِضُوا

سمن لینے سے رو گردانی کرنا یا گواھی دینے سے رکنا یا انصاف کرنے سے رک جانا خدا کو پسند نہیں - خدا تعالیٰ تمہاری کاروائی کا خوب علم رکھتا ہے - اس کو سامنے رکھ کر گواہی دو یا فیصلہ دو -

اور International law اسی ضمن میں فرمایا :

یَا یُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡا قَوَّامِیۡنَ لِلّٰہِ شُھَدَاۤءَ بِالۡقِسۡطِ وَ لَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ اَنۡ لَّا تَعۡدِلُوۡا -

المائدہ ٥ آیت ١١

اے ایمان دارو! خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی غرض سے نہایت مضبوطی سے عدل و انصاف قائم کرنے والے بنو اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل و انصاف کرنے سے رک جاؤ - اعدلوا یعنی ضرور بالضرور تم عدل کرو - ایسا کرنا خدا خوفی کا تقاضا ہوگا -

اَنَّ اللّٰہَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ

اور یہ بات بھی سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ تمہاری کاروائی کو

جانتا ہے - ان احکام سے عیاں ہوتا ہے کہ جس طرح مسلمان رعایا کے معلامات میں عدل و انصاف کی تلقین کی ہے اسی طرح غیر مسلم اقوام کے ساتھ بھی عدل و انصاف کرنے پر زور دیا گیا ہے -

حضور نبی کریم کے ارشادات کو حضرت عمر بن خطاب نے اپنی وفات کے وقت آنے والے خلیفہ کے لئے بطور وصیت دھرایا اور کہا :

اُوْصِیہ بِذمّۃ اللہ و ذمّۃ رسولہ اَنْ یُوْفَی لَھُمْ بِعَھْدِھِمْ وَ اَنْ یُقَاتَلَ مِنْ وَرَائِھِمْ وَ اَنْ لا یُکَلِّفُوا فَوْقَ طَاقَتَھِم -

یعنی میں اس خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں جو میرے بعد مسند خلافت پر بیٹھنے والا ہے کہ ذمیوں کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کا عہد پورا کیا جائے - ضرورت پڑے تو ان کی حفاظت کے لئے ان کے دشمن سے جنگ کی جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ کوئی کام ان سے نہ لیا جائے -

وامرت لاعدل بینکم

خودحضور نبی کریم نے دوسری اقوام کو مخاطب کرکے

فرمایا : مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ لوگوں سے انصاف کروں اس حکم کے علاوہ ذیل کی آیت کریمہ میں حضور نبی کریم کے لئے عدل و انصاف کرنے کا ایک اور حکم ہے اور اس حکم میں ہر طرح کی رو رعایت کرنے سے منع کیا گیا ہے :

انا انزلنا علیك الکتاب با لحق لتحکم بین الناس بما اراملك الله ولا تکن للخائنین خصیما ۔

(النساء ۴ آیت ۱۰۵)

اے پیغمبر! ہم نے حق و حکمت کے ساتھ تجھ پر کتاب اتاری ہے تا کہ آپ خدا تعالیٰ کی عطا کردہ روشنی کے مطابق لوگوں کے معاملات میں فیصلہ دیا کریں اور یاد رکھیں کہ خائن کی حمایت نہیں کرنا ۔ اگرچہ یہ حکم اپنے اندر عمومیت کا رنگ رکھتا ہے تاہم اس میں ایک تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ بھی موجود ہے اور وہ یہ کہ طعمہ انصاری نے کسی شخص کی زرہ بکتر چرائی تھی اور اپنے جرم کو چھپانے کے لئے اس کو ایک یہودی کے گھر ڈال دیا تھا ۔ یہودی پر مقدمہ چلا تو اہل مدینہ جنھوں نے حضور کو اور حضور کے متبعین کو پناہ دی تھی ان کی تکالیف کو رفع کرنے کے لئے ان کے سامنے اپنے مکانات

و اموال پیش کر دیے تھے اور جنھوں نے پیغمبر خدا اور مسلمانوں کی حمایت میں اپنی جانیں اور اموال قربان کیے تھے- یہ انصار مدینہ اپنی بھائی طعمہ کی مدد پر تل گئے اور عرض کیا کہ طعمہ کی ذلت تمام انصار کی ذلت ہوگی - قوم کو اس ذلت سے بچایا جائے انھوں نے حضور کی خدمت میں بحیثیت جماعت حاضر ھوکر یہودی کی مذمت کی اور طعمہ کے حق میں پرزور سفارش کی - رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی انصار کے احسانات کے معترف تھے - باوجود ان سب امور کے حضور کی تفتیش نے یہ انکشاف کیا کہ یہودی بالکل بے گناہ ھے اور چوری کا مرتکب طعمہ انصاری ھے - یہ ھے وہ بلند پایہ انصاف جس کے سامنے مسلمان اور غیر مسلمان سب برابر ھیں- یہ ھے وہ مقام جہاں حکمرانوں کے سامنے Prestige کا سوال آ جاتا ھے اور وہ اپنی قوم کے آدمی کو ھر طرح سے بچاتے اور غیر قوم کے آدمی کو مجرم قرار دینے پر آمادہ ھو جاتے ھیں - قرآن کریم نے اس Prestige کا ذکر بھی کیا ھے اور اس کی مذمت بھی کی ھے - فرمایا جب حکمران کو کہا جاتا ھے انصاف سے کام لو اور مظلوم کی حمایت کرو

اخذتہُ العزۃ بالاثم

تو اس وقت اس پر پرسیٹج کا بھوت سوار ہو جاتا ہے اور اس پر قابو پا لیتا ہے - اس وجہ سے وہ ظلم اور حق تلفی کرتا ہے - مسلمانوں کےلئے اس قسم کا رویہ اختیار کرنا ناجائز ہوتا ہے - اس کی کرسی عدل کے سامنے مسلم اور غیر مسلم دونوں برابر ہوتے ہیں - دنیا بھر کے دشوار ترین معاملات میں اگر کوئی معاملہ ہے تووہ حکومت کرنا ہے سیاست کودشواریوں اور مشکلات سےدو چارہونا پڑتا ہے اور سیاست اور حکومت اکثر ایسی صورتوں میں ناکام رہتی ہے جب حکمرانوں اور رعایا کے لوگوں کے نظریات متضاد ہوں اور جب کہ حکمرانوں اور رعایا کی نسلیں مختلف ہوں اور جب کے دونوں کے مذہبی معتقدات بھی ایک دوسرے کے موافق نہ ہوں - اھل یورپ اپنی مشرق کی نوآبادیات میں سیاست اور حکومت کے متعلق قابل تعریف نمونے قائم نہیں کرسکے - وہ نو آبادیات کی کمائی کھاتے ہیں لیکن ان کے حقوق کی حفاظت قطعاً نہیں کرتے - وہاں پرجمہوریت کا کوئی رنگ نہیں پایا جاتا ، وہاں پر اھل یورپ جرم کرتے ہیں تو سزا نہیں پاتے اور ان کے برعکس ان کی رعایا پر ظلم پر ظلم ڈھایا جاتا ہے - حکمرانوں کے لئے قوانین اور ہیں اور رعایا کے لئے اور - لیکن اس قسم کے مشکل

حالات میں اور متضاد صورتوں میں پیغمبر اسلام نے حقیقی جمہوریت اور حقیقی مساوات کے اصول قائم کئیے اور ان پر عمل بھی کر دکھایا -

علماء اور امراء بے حد نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں

یَا اَیُّھا الَّذِیْنَ آمَنُوا اِنَّ کَثِیْراً مِنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّھْبَانِ
لَیَأْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ
سَبِیْلِ اللہِ - وَ الَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَ الْفِضَّۃَ
وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ -

(التوبہ ۹ آیت ۳۴)

انسانیت پر بے حد ظلم کرنے والے اور انسانیت کو گمراہ کرنے والے یا مذہبی لیڈر ہوتے ہیں اور یا سرمایہ دار - معاشرے کے ان دونوں نقصان دہ اور گمراہ کن عنصروں کا اس آیۃ کریمہ میں ذکر کیا گیا ہے -

حضور نبی کریم نے سوسائٹی کو شراب و جوئے کی لعنت سے پاک کیا ، معاشرے کو زناکاری اور ہر قسم کی بدکاری سے نجات دلائی ، بد دیانتی اور لوٹ کھسوٹ کو

ختم کیا اور قوم کے اندر یہ ایمان پیدا کیا :

هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ

یعنی تم جس جگہ بھی ہو اور جس معاملہ سے بھی تمہارا تعلق ہو یقین کرو کہ وھاں خدا موجود ہے اور یقین کرو :

اِنَّهٗ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ

یعنی وہ تمہارے باطن کے ارادوں اور مقاصد کو اور ظاہری اعمال کو بھی جانتا ہے ۔ حضور نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنا کر

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ

قوم کے اندر اس قدر ظاہری اور باطنی طہارت پیدا کی کہ وہ نیکی سے پیار اور بدی سے نفرت کرنے لگے اور دیانتداری کی زندگی بسر کرنے لگے ۔ ان کے مرد و زن عفت کو گران قدر متاع یقین کرنے لگے ۔ وہ راستباز اور حق پرست بن گئے ۔ وہ ایک دوسرے کے سچے خیر خواہ اور ہمدرد بن گئے اور ان کا وجود ہر طرح کے امن و امان کا ضامن قرار دیا جانے لگا ۔

حضور نے انہیں مختصر طور پر بنیادی اخلاق سکھلا دیے تھے۔ ان کا یہ دستور تھا

كَانَ يَأْمُرُنَا بِالصَّلٰوةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ وَالصِّلَةِ۔

وہ حکم دیا کرتے تھے عبادت الٰہی کا، راستبازی اور حق پرستی اختیار کرنے کا، حرام خوری سے بچنے اور عفت کی زندگی بسر کرنے کا اور آپس میں تعلقات کے مضبوط کرنے کا۔ غرض رسول کریم ﷺ جہاں قوم کے درمیان سے بد اعمالیوں کے مٹانے میں اور ان میں اعلیٰ درجہ کی نیکیاں قائم کرنے میں نہایت ممتاز رنگ میں کامیاب ہوئے وہاں حضور نے ذیل کی دو خطرناک بدیوں کی اصلاح بھی کی۔ وہ دو بدیاں یہ ہیں:

(۱) علماء سوء کا اقتدار جو ان کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ اموال جمع کریں اور انسانیت کو گمراہ کریں۔

(۲) سرمایہ دار کی مال سے بے جا محبت جو اس کو اخلاق فاضلہ سے محروم کر دیتی ہے اور وہ غرباء کے ساتھ ہمدردی کرنے کی بجائے ان کی کمائی خود کھاتا ہے اور

ان کو ہر طرح سے دباتا اور ذلیل کرتا ہے۔

ان ہی دو خطرناک بدیوں کا ذکر اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے:

یا یہا الذین آمنوا ان کثیراً من الاحبار والرہبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ۔ والذین یکنزون الذہب والفضۃ ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ۔

پنڈت پروہت پوجاری نے اہل ہند کے راجاؤں پر اور عامۃ الناس پر مذہب کی آڑ میں بے جا تسلط جمائے رکھا تھا اور ان کو اصل دین سے غافل کرکے رسم و رواج کے پورا کرنے میں لگا دیا تھا اور وہ طرح طرح کے حیلوں سے مخلوق کا مال کھایا کرتے تھے اور نفسانی اغراض اور ذاتی مفاد کے حصول کے لئے مذہب کو بگاڑ کر بیان کرتے تھے۔

یہودیوں کے علماء نے بھی یہودیت کو رسم و رواج کا مذہب بنا کر رکھ دیا تھا۔ تورات میں ایک کتاب Leviticus ہے جو رسم و رواج کی تفصیلات بیان کرنے کے لئے وقف ہے اس میں ہر رسم کے بیان کرنے کے بعد یہ

فقرہ درج ہے - کہ یہ رسم ھارون کی اولاد کے توسط سے ادا کی جائے - بالکل اسی طرح جس طرح اہل ھند کی ھر ایک رسم کو ادا کرنے کے لئے پنڈت پروھت یا پجاری کا وسیلہ اختیار کرنا ضروری ہے - عیسائیت نے بھی پوپ اور بشپ کے احکامات پر چلنے کا حکم دے رکھا ہے اور لازمی قرار دیا ہے کہ کوئی مذھبی رسم ادا نہیں کی جا سکتی مگر انھی کے وسیلہ سے - عیسائیت پر ایک زمانہ ایسا بھی آیا تھا جب کوئی عامی شخص بائبل کو ھاتھ بھی نہیں لگا سکتا تھا کیونکہ اس مقدس کتاب کو صرف مقرر کردہ مذھبی لیڈر ھی ھاتھ لگا سکتا تھا اور صرف وھی یہ اھلیت رکھتا تھا کہ وہ اس کتاب کو سمجھے اور بیان کرے، بالکل اسی طرح جس طرح ھندوستان پر وہ زمانہ گزرا تھا کہ وید مقدس کی کتھا بیان کرنے کے لائق صرف پنڈت جی قرار دیے جاتے تھے - ان علماء نے لوگوں کو زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا اور اپنا رعب اس قدر بڑھا رکھا تھا کہ راجے اور مہاراجے ان کے حکم سے سر مو سرتابی کرنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے اور بالکل اسی طرح یورپ کے بادشاہ پوپ کے فرمان کے سامنے بے چون و چرا سر تسلیم خم کر دیتے تھے - یہ راہنما

اپنی ذاتی اغراض اور نفسانی خواهشات کے پورا کرنے کی غرض سے دین کو بگاڑ کر پیش کرتے تھے اور جو کچھ بیان کرتے تھے لوگ اس کو بغیر حیل و حجت قبول کرتے تھے اور ان کے بیان کردہ امور کو خدا کا دین یقین کرتے تھے -

حضور نبی کریم پہلے وہ شخص هیں جنهوں نے اس نازک امر کی اصلاح فرمائی - فرمایا اسلام بندے کو اپنے خدا سے براہ راست تعلق لگانے کی تلقین، کرتا ہے اور اسلام کے نزدیک بندے اور خدا کے درمیان کسی ایجنٹ کی قطعاً ضرورت نہیں ہے - اسلام یه تلقین کرتا ہے کہ هر انسان کو خود مذهب سیکھ لینا اور اس پر عمل کرنا چاهیے - چنانچه اهل اسلام کا بادشاہ خود خطبه دیتا اور خودهی نمازوں میں امامت کے فرائض ادا کرتا تھا اور سامعین بھی اسلامی تعلیمات سے واقفیت رکھنے کی وجه سے ضرورت کے وقت خطیب کو اس کی غلطی پر مطلع کر دیتے تھے - اسلامی معاشرے میں مذهبی آزادی نے اس حد تک فروغ پایا تھا کہ سامعین میں سے جب کوئی شخص خطیب کی غلطی پر آگاہ هو جاتا تھا تو اس کو آشکارا کر دیا کرتا تھا تا کہ اس کی اصلاح هو جائے - اسی طرح فوج کا کمانڈر خطبه دیا کرتا اور نماز

میں امامت کے فرائض ادا کیا کرتا تھا - جس طرح بادشاہ اور کمانڈر مقتدا بنتے تھے اسی طرح ہر چھوٹا بڑا مقتدا بنتا تھا بشرطیکہ اس کو دین کی واقفیت حاصل ہو - چنانچہ سالم مولی ابی حذیفہ جب ہجرت کرکے مدینہ پہنچے تو امامت کے فرائض ان کے سپرد کئے گئے تھے اور ان کے پیچھے عمر جیسا عظیم المرتبت شخص نماز ادا کیا کرتے تھے اور شام کے صہیب جو صہیب رومی کے نام سے مشہور تھے وہ بھی اپنی قرآن دانی کی وجہ سے امامت کے منصب پر سر فراز کئے گئے تھے اور حضرت عمر کی نماز جنازہ انہوں نے ہی پڑھائی جب کہ ہزاروں مہاجرین و انصار کے علاوہ نہایت بلند پایہ سرداران قوم بھی اس مجمع میں موجود تھے -

اسلامی عقائد اور عبادات رسومات سے بالکل مبرا ہیں - اسلام حقیقت پسندی کی تعلیم دیتا ہے - اس لئے ہر شخص کو مذہب سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی تلقین کرتا ہے - رسومات کے ختم کر دینے سے پنڈت پروہت پوجاری اور پادری کے ضرر رساں منصب کو ختم کر دیا گیا ہے - ایسا کرنے سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے انسانیت کی گراں قدر خدمت سرانجام دی ہے - دوسرا مرض جو انسانیت کے لئے مہلک ثابت ہو رہا ہے وہ سرمایہ داری ہے - حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف بھی توجہ دی اور قوم کو اس کے مضر اثرات سے آگاہ کرکے اس کی اصلاح کر دی - یہ وہ مہلک مرض ہے جو آج ساری دنیا میں وباء کی طرح پھیلا ہوا ہے - اس کے مظالم سے ایک دنیا تنگ ائی ہوئی ہے - اس کے خلاف یورپ میں متعدد شکلوں میں پروٹسٹ ظہور میں آتی رہی ہے - اس پروٹسٹ یا احتجاج اور بغاوت نے کبھی بولشوزم اور سوشلزم کی شکل اختیار کی اور کبھی کمیونزم وغیرہ کی - یورپ اس سیلاب کو روک نہیں سکا - یورپ کے تمام ممالک نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ کمیونزم کا کامل علاج صرف اسلام میں ہے - ان کا مشاهدہ ہے کہ عیسائیت کمیونزم کے لئے نہایت ہی موزوں زمین ثابت ہوئی ہے - اس میں وہ سرسبز و شاداب نظر آتا ہے - یورپ کو یہ بھی اعتراف ہے کہ اسلامی ممالک جہاں معاشرے کو کامل مساوات حاصل ہیں جہاں ہر فرد کو آزادی حاصل ہے اور ہر فرد اپنی رائے کا اظہار کر سکتا ہے ، جہاں مذہبی آزادی کے علاوہ اقتصادی اختیار یا

اقتصادی آزادی حاصل ہے ' وہاں کمیونزم کے پیدا ہونے کا امکان تک نہیں ہے۔ یہ حقائق ظاہر کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو ہر خطرہ سے محفوظ فرمایا ہے۔

قرآن کریم

قرآن شریف کی بعض خصوصیات کا ذکر خود قرآن شریف میں موجود ہے۔ ان میں سے بعض صفات کا ذکر کر دینا ناظرین کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا۔ قرآن میں لکھا ہے۔

وَ اِنَّہٗ لِکِتَابٌ انزلنہُ مبارکاً

یقیناً یہ ایسی کتاب ہم نے نازل کی ہے جو سرچشمہ برکات ہے۔ چنانچہ مذکورۃ الصدر صفحات میں جو موضوعات لکھے گئے ہیں وہ نہایت واضح طور پر ثابت کرتے ہیں کہ جہاں قرآن کریم کی تعلیمات اور اس کے بیان کردہ نظریات و اصول ہمہ گیر ہیں وہاں ان کی افادیت بھی ہمہ گیر ہے۔ قرآن کریم سے پیشتر ہر آسمانی کتاب مختص القوم اور مختص الزمان تھی اور اسی وجہ سے اس کے بیان کردہ معتقدات مین

همه گیری نہیں پائی جاتی تھی - اس کے بر عکس قرآن کریم کے بیان کردہ اصول نیچر کے قوانین کی طرح دائمی اور همه‌گیر هیں کیونکه وه انسان کی نیچر پر مبنی هیں - جس طرح فطرت انسانی غیر متبدل هے اسی طرح اس نیچر یا فطرت کے قوانین بھی غیرمتغیر هیں -وه دین جس کی اشاعت قرآن کریم کرتا هے اس کا نام اسلام هے- اسلام مشتق هے سلم سے - اسلم کے معنی اس نے فرماں برداری اختیار کی - اسلام کے معنی هیں خداتعالیٰ کی فرماں برداری اختیار کرنا - فرماں برداری اختیار کرنے والے کو مسلم کہتے هیں - اسلام کا لفظ قرآن کریم نے استعمال کیا هے - فرمایا ان الدین عند الله الا سلام - اسی طرح لفظ مسلم بھی قرآن کریم هی کا تجویز کرده هے - چنانچه فرمایا :

هو سمّٰکم المسلمین

خدا نے تمهارا نام مسلمین رکھا هے - اس ضمن میں حضور نبی کریم صلی الله وسلم فرماتے هیں :

انا اول المسلمین

میں سب سے بڑھ کر مسلم یعنی خدا تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنے والا هوں - یه نام بھی پر معنی اور همه گیر

ہے - ہر انسان یہ اعلان کرنے کو تیار ہوگا کہ میں خدا تعالیٰ کا فرمانبردار بندہ ہوں - آدم سے لے کر اس وقت تک ہر پیغمبر اور راہنما نے خدا تعالیٰ کی فرماں برداری اختیار کرنے کی تلقین کی تھی - حضرت عیسیٰ نے بھی فرمایا جو کوئی میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلے میرا بھائی، بہن اور ماں ہے (متی باب ۱۲ - آیت ۵۰) - اور ایک اور مقام پر حضرت عیسیٰ نے ان الفاظ میں تلقین فرمائی ”ہر ایک آسمان کی بادشاہی میں داخل ہوگا مگر وہی جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہے (متی باب ۷ آیت ۲۲) - فرماں برداری کرنا صرف فطرت انسانی میں محدود و منحصر نہیں ہے - ساری کائنات اور اس کا ذرہ ذرہ خدا تعالیٰ کے احکام کی پابندی کر رہا ہے اور اسی لئے یہ کائنات موجب برکات و افضال بنی ہوئی ہے - اس موضوع پر قرآن کریم کی یہ آیت روشنی ڈالتی ہے -

ولہ اسلم من فی السموات و من فی الارض

زمین و آسمان کی ہر چیز خدا تعالیٰ کی فرماں برداری میں سرگرم عمل ہے - اور فرمایا :

و لہ یسجد من فی السمٰوات و من فی الارض

اسلم اور سَجَدَ دونوں فرماں برداری کے لئے استعمال ہوتے ہیں ۔ یہ دونوں الفاظ کائنات کی فرمانبرداری کے اظہار کے لئے استعمال کئے ہیں تاکہ انسان پر یہ امر منکشف ہو جائے کہ اسلام نہ صرف فطرت انسانی کا دین ہے بلکہ کائنات کا دین بھی اسلام ہی ہے ۔ مسلم کا لفظ تو دنیا کا ہر انسان اپنے لئے پسند کرے گا لیکن ہندو کا لفظ یا عیسائی کا لفظ یا یہودی کا لفظ یا سکھ یا بدھ کا لفظ نہ ہمہ گیر ہے اور نہ ہی تمام انسان اس لفظ کو اپنے لئے پسند کرنے پر آمادہ ہوں گے ۔

حضرت عیسیٰ کے پیرو اپنے آپ کو عیسائی کہتے ہیں ۔ ظاہر ہے یہ لفظ ہمہ گیر نہیں ۔ خود حضرت عیسیٰ پر بھی یہ لفظ اطلاق نہیں پا سکتا ۔ انجیل میں ان کا دین خدا کی فرماں برداری کرنا اور اس کی مرضی پر چلنا بیان کیا گیا ہے ۔ اس سے معلوم ہوا وہ مسلم تھے اور ان کے ماننے والے اپنے تئیں عیسائی کہتے ہیں ۔ اسی طرح دوسرے مذہبی ناموں میں سے کوئی نام بھی ہمہ گیر نہیں ہے ۔ ان سب کے

مقابل پر مسلم وہ نام ہے جو انسانی طبیعت کے موافق بھی ہے اور ہمہ گیر بھی - قرآن کریم کے متعلق یہ دعویٰ بھی قابل غور ہے :

وانہ لذکرٌ لک ولقومک

قرآن کریم کی تعلیمات آپ کے اور آپ کی قوم کے شرف و بزرگی کا باعث ہوں گی - چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ کی قوم جو صحرا کے رہنے والی تھی ان تعلیمات کی برکت سے مہذب ہوگئی اور وہ لوگ بے شمار لوگوں کو تہذیب سکھانے کا ذریعہ بنے - وہ جو ساربانی کرتے تھے حکمرانی کرنے لگے - وہ جو امی تھے دنیا میں تعلیم پھیلانے کا موجب بنے - وہ جو ریت کے ذرات کی طرح اپنے اندر کوئی اتصال نہ رکھتے تھے متحد و مربوط ہوگئے اور ایسی قوم بن گئے جس کی قوت و عزت اور شان و شوکت پر دنیا کی قومیں رشک کرتی ہیں - اس قوم نے اور اس کے پیغمبر نے دنیا بھر کے لوگوں کے سامنے ایسا دین پیش کیا جو نہایت معقول اور نہایت مفید ہے اور وہ ایسا دین ہے جس پر ساری دنیا اتفاق کر سکتی ہے - یہ حقائق و شواهد ثابت کرتے ہیں کہ قرآن کریم کا یہ اعلان ایک حقیقت بن کر جلوہ گر ہوتا ہے کہ تعلیمات قرانیہ

یقیناً یقیناً حضور نبی کریم کی شرف اور بزرگی کو قائم کرتی ہیں اور اس طرح سے حضور کی قوم کا شرف اور بزرگی بھی قرآن کریم کی تعلیمات کی وجہ سے قائم ہوتی ہے - رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادیان مختلف کی تکذیب نہیں کی بلکہ ان کی تائید کی ہے اور مختلف قوموں کے پیغمبروں کی عزت کرنے کی تلقین فرمائی ہے اور ان کتابوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے جو ان رسولوں پر نازل ہوئی تھیں اور ساتھ ہی ان کو مختص الزمان اور مختص القوم بیان کرکے ظاہر کیا کہ ان کتابوں کی تعلیمات ہمہ گیر نہیں ہیں - ان کتابوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا رسول مبعوث فرمایا جس کی تعلیم اپنے اندر ایسی وسعت رکھتی ہے جس کی طفیل ساری اقوام عالم کی اصلاح ہو سکتی ہے - ایسے رسول کی ایسی گراں قدر معتقدات کو کون شخص ہے جو ترجیح نہ دے گا -

یہ ترجیح دینا ہی اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے :

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ (التوبة ۹ آیت ۳۳) -

القرآن

خود لفظ قرآن بھی پر معنی ہے - اس کے معنے ہیں وہ

کتاب جو پڑھی جائے گی چنانچہ یہ کتاب تمام اسلامی ممالک کی مساجد میں اور گھروں میں دن رات پڑھی جاتی ہے ۔ گھروں میں عموماً صبح کے وقت مرد و زن ' چھوٹے اور بڑے اس کتاب کو پڑھتے ہیں اور مساجد میں ہر روز پانچ دفعہ اس کتاب کو عبادت میں پڑھا جاتا ہے ۔ ماہ رمضان میں تو دنیا بھر کی مساجد میں نہایت ذوق و شوق کے ساتھ اس کتاب کو نماز تراویح میں ختم کیا جاتا ہے اور بعض مساجد میں رمضان کے آخری حصہ میں اس کتاب کو ایک ہی رات میں ختم کیا جاتا ہے ۔ اسلامی ممالک میں ہزاروں کی تعداد میں مرد و زن اس کتاب کے حافظ ہیں جن کو ساری کی ساری کتاب از بر یاد ہے اور وہ اس کتاب کو برابر دھراتے رہتے ہیں ۔ شمالی افریقہ میں ایک شہر قیروان ہے جس کے تمام کے تمام باشندے مرد و زن قرآن کے حافظ ہیں ۔ یہ حقائق ظاہر کرتے ہیں کہ مسلمان عام طور پر قرآن کریم سے والہانہ عشق رکھتے ہیں ۔ اس عشق و شغف کی وجہ قرآن کریم کی اپنی کشش و دلربائی ہے ۔ قرآن کریم کے بیان کردہ نظریات و معتقدات معقول و مفید ہونے کی وجہ سے دلفریب ہیں ۔ قرآن کریم کی عبارتیں جو مقفیٰ و مسجع ہیں

اشعار کی طرح ترنم سے پڑی جاتی ھیں جو سامعین پر وجد طاری کر دیتی ھیں - حضور نبی کریم ﷺ کا اس کتاب کو نہایت دل نشین اور سریلی آواز سے پڑھنا جادو کا اثر رکھتا تھا - ان کے اصحاب بھی حضور کی طرح اس کتاب سے عشق رکھتے تھے ' اس کو حفظ کرتے اور اس کو دلکش آواز سے پڑھا کرتے تھے -

علاوہ ان خصوصیات کے علم و ادب کے لحاظ اور علم معانی کے لحاظ اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بھی یہ نہایت ھی بلندپایہ علم ادب یا لٹریچر کی کتاب ھے - چنانچہ پروفیسر ڈاکٹر ھیرووٹزجوایک زمانہ میں علی گڑھ میں عربی کے پروفیسر تھے اور جنھوں نے " طبقات ابن سعد " کا جو متعدد جلدوں میں اھل جرمنی نے شایع کی ھے دیباچہ لکھا ھے ان کا قول ھے کہ اگر ساری دنیا کا عربی لٹریچرایک جگہ جمع کیا جائے تو وہ کتاب جو ان سب کے اوپر رکھی جانے کے لائق ھوگی وہ قرآن کریم ھے - اسی طرح وہ عیسائی اھل زبان جنھوں نے عربی کی ڈکشنریاں لکھی ھیں وہ اپنے معانی کی صحت کے لئے قرآن کریم کی آیات بطور سند پیش کرتے ھیں - ان ڈکشنریوں میں جب صرف و نحو پر بحث کا موقعہ آتا ھے تو وہ گرامر

کے قواعد کی صحت کے لئے بھی قرآن کریم کی آیات سے استشہاد کرتے ہیں - اگر قرآن کریم کا علم ادب یا اس کی گرامر ناقص ہوتی تو عیسائی مصنفین قرآن کریم کے پرخچے اڑا دیتے - مگر وہ تو قرآن کریم کے ادب کو موجودہ زمانے کی بہترین سے بہترین تصنیف پر ترجیح دینے پر مجبور ہیں - جس طرح قرآن کریم کے بیان کردہ اصول ماڈرن ہیں، اسی طرح اس کی زبان بھی ماڈرن ہے -

نیچر کے قوانین کی طرح وہ اخلاقی اور روحانی اور سیاسی و معاشرتی اصول جو قرآن کریم نے بیان کئے ہیں دائمی ہیں - اسی طرح اس کی زبان نے بھی ثابت کر دیا ہے کہ اس پر مرور زمانہ کا کوئی اثر نہیں ہوا - ورنہ بولیاں پرانی اور فرسودہ ہو جاتی ہیں - چنانچہ بائیبل کا وہ انگریزی ترجمہ جسے شاہ جیمس نے ۱۶۱۱ میں بڑی محنت سے تیار کرایا تھا وہ ترجمہ ۱۸۸۱ میں ایسا ناقص اور غلط ثابت ہوا کہ اس کے ہزارہا مقامات کی اصلاح کی گئی - اس ترمیم شدہ بائیبل کو Revised Version کہتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم کی زبان چودہ سو سال سے اپنی رعنائی اور دلربائی کو برابر قائم رکھے آ رہی ہے -

دنیا کی مردہ زبانیں

یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ لاطینی ' عبرانی او سنسکرت مردہ زبانیں ہیں۔ مردہ زبان اس کو کہتے ہیں جو زمین کے کسی خطہ میں بولی نہ جاتی ہو - چنانچہ لاطینی عبرانی اور سنسکرت میں سے کوئی بھی کسی مقام پر رائج نہیں ہیں - ہاں ان زبانوں کے خال خال علماء و فضلا پائے ہیں لیکن یہ زبانیں کسی جگہ بھی رائج الوقت نہیں ہیں - ان زبانوں کے انحطاط و موت کے اسباب پر بحث کرنے کا یہ موقعہ نہیں ہے - امر واقعہ یہی ہے کہ یہ زبانیں مردہ ہیں -

بخت نصر بابلی نے حضرت مسیح سے چھ سو سال پیشتر بیت المقدس پر حملہ کرکے اس شہر کو بالکل تباہ کر دیا تھا - اس کے ہیکل کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی - اس کے کتب خانوں کو نذر آتش کر دیا تھا اور تورات کے نسخہ جات بھی جلا دیے تھے - اس وقوعہ پر جب ایک مدت مدید گزر گئی تو عزرا نے اپنے حافظہ سے تورات نئے سرے سے لکھی - چونکہ اس وقت عبرانی کی بجائے یہودیوں میں آرمیئک بولنے کا رواج ہوگیا تھا اس لئے عذرا نے تورات کو آرمیئک میں

لکھا تھا - اس سے یہ امر عیاں ہو جاتا ہے کہ نہ ہی عبرانی زبان کہیں بولی جاتی ہے اور نہ ہی اصل عبرانی تورات کا وجود باقی ہے - لیکن قرآن کریم کا وجود بھی قائم و دائم ہے اور اس کی زبان بھی قائم و دائم ہے -

اب انجیل کی زبان زیر غور لائی جاتی ہے - حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان آرمیئک تھی - وہ یہودی تھے اور یہودی اپنی اصل زبان یعنی عبرانی بھول چکے تھے اور عبرانی کی جگہ آرمیئک بولتے تھے - حضرت عیسیٰ بھی اسی قوم کے فرد تھے - اس لئے ان کی زبان بھی آرمیئک تھی - وہ اسی زبان میں خدا کا کلام لوگوں تک پہنچاتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ

حضرت عیسیٰ کی وفات کے قریباً سو سال بعد جب انجیل لکھی گئی تو وہ آرمیئک میں نہ لکھی گئی تھی ' بلکہ وہ یونانی میں لکھی گئی تھی - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح تورات بجائے عبرانی کے آرمیئک میں لکھی گئی تھی اسی طرح انجیل بجائے آرمیئک کے یونانی میں لکھی گئی تھی - سو نہ اصل عبرانی تورات دنیا میں موجود ہے اور نہ ہی اصل

آرمیئک انجیل ۔ اب نہ ھی اصل تورات پڑھی جاتی ھے اور نہ ھی اصل انجیل ۔ جو کتاب اپنی اصلی زبان عربی میں پڑھی جاتی ھے وہ قرآن کریم ھے جس کی بابت پیش گوئی ھے کہ وہ پڑھی جائیگی اس پیش گوئی سے یہ بھی ترشح ھوتا ھے کہ دوسری آسمانی کتابیں تو پڑھی نہیں جاتیں لیکن قرآن کریم وہ کتاب ھے جو پڑھی جائے گی ۔ یہ پیش گوئی خوب پوری ھوئی ۔ قرآن کریم نہ صرف عرب میں پڑھا جاتا ھے ۔ بلکہ عرب کے باھر شام میں، بیروت میں، لبنان میں اور مصر سے لے کر شمالی افریقہ کے سارے شمالی حصہ میں مراکو تک عربی رائج ھے اور وہ سب قومیں قرآن کو پڑھتی ھیں ۔ اسی طرح افریقہ کے بعض دوسرے حصوں میں بھی عربی بولی جاتی ھے اور وھاں پر قرآن کریم پڑھا جاتا ھے ۔

ابھی اوپر ذکر ھوچکا ھے کہ سنسکرت بھی مردہ زبان ھے، یعنی جس زبان میں وید لکھا ھوا ھے وہ زبان اب کسی حصہ ملک میں بولی نہیں جاتی ۔ ھاں کہیں کہیں اس زبان کے علماء و فضلاء ضرور پائے جاتے ھیں ۔ لیکن معدودے چند اشخاص کا وجود زبان کو مرنے سے نہیں بچا سکتا ۔ اس وجہ سے جب وید کی بولی مردہ ھوچکی ھو تو وید

عام طو پر کس طرح پڑھا جا سکتا ہے ۔ نہ ہی وید پڑھا جاتا ہے اور نہ ہی وید کی تعلیم فروغ پا سکتی ہے ۔ اس کے برعکس زبان عربی پھلتی پھولتی نظر آتی ہے اور اس کے باعث تمام اسلامی ممالک میں قرآن کریم کثرت سے پڑھا جاتا ہے اور اس کی تعلیمات کو روز افزوں فروغ حاصل ہو رہا ہے ۔ بعض آسمانی کتابوں کا کالمعدوم ہو جانے اور صرف ایک کتاب یعنی قرآن کریم کا محفوظ رہ جانے میں قدرت کا ہاتھ نظر آتا ہے :

فاما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض

وہ چیز جو سب سے زیادہ نافع الناس ہو اسی کو دوام حاصل ہوتا ہے ۔ یورپ کہتا ہے وہ چیز باقی رہتی ہے جو سب سے زیادہ قوی ہو : The survival of the fittest یہ نظریہ ناقص اور ضرر رساں ہے ۔ اس نظریے نے بعض قوموں کو یہ سبق پڑھایا ہے کہ ہم اسی صورت میں طاقت و اقتدار کی مالک رہ سکتی ہیں جب ہماری فوجی طاقت مضبوط ترین ہو اور ہمارے اسلحہ سب قوموں کے اسلحہ سے زیادہ مہلک ہوں ۔ لیکن قرآن کریم کا فلسفہ اس کے خلاف ہے ۔ وہ یہ تلقین کرتا ہے کہ دوام اس چیز کو اور اس شخص کو اور اس

قوم کو حاصل ہوتا ہے جو سب سے زیادہ نافع الناس و نافع المخلوقات ہو -

جمع قرآن

اِنا نحن نزلنا الذکر و انا لہٗ لحافظون

خدا تعالیٰ اس آیت کریمہ میں فرماتا ہے ہم نے ہی قرآن کریم کو جو فطری صلاحیتوں اور قویٰ کو بیدار کرنے والا ہے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے - چنانچہ اس پیش گوئی کے موافق قرآن کریم اس وقت تک برابر محفوظ چلا آرہا ہے - اس امر واقعہ کو مغربی ممالک کے تمام مستشرقین نے تسلیم کرتے ہوئے یہ اعتراف کیا ہے کہ قرآن کریم بالکل اسی اصلی حالت میں اس وقت موجود ہے جو پیغمبر اسلام نے لوگوں کو دیا تھا - یورپ جو صدیوں سے اسلام کے مٹانے کے در پے رہا اس کے عیسائی مصنفین کی یہ گواہی کہ قرآن کریم بالکل محفوظ ہے بہت بڑی قدر و قیمت کی حامل ہے - یہ آسمانی کتاب کیونکر محفوظ چلی آ رہی ہے - اس کے اسباب کا مختصر سا تذکرہ کر دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا -

تحفظ قرآن

یہ امر یاد رکھنے کے لائق ہے کہ قرآن کریم تیئیس سال کے ممتد عرصہ میں وقتاً فوقتاً حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا کرکے اترا تھا جیسا کہ فرمایا انا انزلنا القرآن تنزیلا یعنی ہم نے قرآن کریم کو جملۂ واحدہ نہیں نازل کیا بلکہ اس کو واقعات کے حسب حال تھوڑا تھوڑا کرکے اتارا ہے۔ اس کا یہ مقصد تھا کہ قوم کی روحانی و اخلاقی تعلیم و تربیت بہ تدریج کی جائے تاکہ قوم پودوں کی طرح نشو و نما پائے اور بڑھے اور پھولے اور بار آور ہو۔ دوسرا امر جو یاد رکھنے کے لائق ہے یہ ہے کہ عرب کے لوگ امی تھے۔ ان کی معلومات کا انحصار ان کی قوت حافظہ پر تھا۔ قدرت نے ان کو فقید المثال حافظہ دے رکھا تھا۔ تمام اشعار ان کو ازبر یاد ہوتے تھے اور وہ اپنے اور دوسرے قبائل کے حسب نسب کی تفصیلات کو یاد رکھتے تھے اور ہر قبیلہ کے متعلق ان کے حادثات یا واقعات کو بھی یاد رکھتے تھے۔ ان کے میلوں کے موقعوں پر مجالس گرم ہوتی تھیں جن میں ہر قبیلہ اپنا شجرۂ نسب اور اپنے بزرگوں کے قابل فخر کارنامے بیان کرتا تھا۔ چونکہ ان کو ایک دوسرے

کے شجرۂ نسب اور ان کے کارنامے یاد ہوتے تھے اس لئے کوئی شخص بے بنیاد فخر و مباحات بیان کرنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا - تیسرا تاریخی امر واقعہ جو یاد رکھنے کے لائق ہے یہ ہے کہ جس وقت کوئی آیت کریمہ حضور نبی کریم ﷺ پر نازل ہوتی تھی ' حضور اس کو یاد کر لینے کے علاوہ اسی وقت اپنے سامنے لکھوا دیتے - لکھنے والوں کے نام تاریخ اسلامی میں درج ہیں - ان سب میں پیش پیش حضرت زید بن ثابت تھے - حدیثوں میں لکھا ہے کہ آیت کے نزول کے وقت حضور علیہ الصلواۃ والسلام زید بن ثابت کو طلب کیا کرتے تھے اور نازل شدہ آیت یا آیات اپنے سامنے لکھوا دیا کرتے تھے اور وہ لوگ جو حضور کی صحبت میں دن رات اٹھتے بیٹھتے تھے اور جو اس شمع ہدایت کے پروانے تھے وہ بھی نازل شدہ آیت یا آیات کو اپنے سینہ کی لوح پر نقش کر لیا کرتے تھے - قرآن کا نزول برابر تیئیس برس تک جاری رہا اور برابر حضورنبی کریم نازل شدہ حصہ کو یاد کرتے رہے اور اس کو اپنے سامنے لکھواتے رہے اور حضور کے عشاق بھی قرآن کریم کو اپنے سینوں میں محفوظ کرتے رہے - اس طرح سینکڑوں اصحاب نے

سارے کا سارا قرآن کریم نہایت عشق و تکریم کے ساتھ اپنے دلوں پر نقش کر لیا تھا ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل جامع قرآن خود حضور نبی کریم ﷺ ہیں جنھوں نے اس گراں قدر کتاب کو اپنے سینہ پر لکھا اور اس کو لکھوایا اور اس کو سینکڑوں سینوں پر بھی منقوش کرایا تھا ۔

حضرت ابو بکر جامع قرآن نہیں ہیں

جیسا کہ ابھی ذکر ہوا ہے حقیقی جامع قرآن خود حضور رسول کریم ہیں ۔ حضور کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر نے قرآن کریم کو جو ہر طرح سے محفوظ تھا کتاب کی شکل عطا کی ۔ انھوں نے یہ خدمت حضرت زید بن ثابت کے سپرد کی جنھوں نے چند دوسرے اصحاب کی معاونت سے اور قاریوں اور حفاظ کی اعانت سے اس اہم خدمت کو نہایت محبت اور نہایت احتیاط سے سر انجام دیا ۔

حضرت عثمان اور جمع قرآن

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر کے تیار کردہ مصحف کی متعدد کاپیاں تیار کرائیں اور مصحف کے ان نسخہ جات کو عرب و عراق و شام و ایران و مصر میں بھجوا

دیا اس وقت سے لے کر آج تک اسی مصحف کی اشاعت تمام کے تمام اسلامی ممالک میں ہو رہی ہے۔ ان حقائق و شواہد کے پیش نظر مغربی مستشرقین نے درست لکھا کہ قرآن کریم بالکل اپنی اسی اصلی شکل میں موجود ہے جس شکل میں پیغمبر اسلام نے لوگوں کو دیا تھا -

تحفظ سنت

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کے ساتھ انتہا درجے کا عشق تھا - قرآن کریم آہستہ آہستہ حسب موقع و حسب ضرورت نازل ہوتا تھا تو حضور اس کو ساتھ ساتھ اپنے سینہ پر نقش کرتے جاتے تھے اور ساتھ ساتھ اس کو لکھواتے جاتے تھے - حضور کا عشق قرآن اور حضور کی تحفظ قرآن کے لئے تڑپ اور مستعدی اور دانش مندی کا یہ نتیجہ ہوا کہ قرآن کریم سینوں کی لوح پر بھی لکھا گیا اور صفحۂ قرطاس پر بھی اور اس وقت سے لے کر اس وقت تک برابر مسلمان بڑے ذوق و شوق سے اس کتاب کی نشر و اشاعت کرتے رہے ہیں - حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اس قابل قدر اہتمام کی جو انہوں نے خدا کی کتاب تحفظ کے لئے کیا، خدا تعالیٰ نے اس مہتم بالشان خدمت کی قدر دانی

یوں کی کہ اس نے حضور کی سنت کا تحفظ کر دکھایا -

سنت کے معنی ہے راستہ یا طریقہ - جو طرز و طریق حضور نے اختیار کر رکھا تھا اس کو سنت رسول اللہ کہتے ہیں - اس میں حضور کی معاشرے و تمدن و سیاست سب کچھ شامل ہیں - ان کا جہاد کرنا - مخالفین سے حسن سلوک سے پیش آنا ، ان کی شجاعت اور ان کی سخاوت، ان کے خصائل حمیدہ اور ان کے اخلاق فاضلہ اور ان کے جاری کردہ احکام شریعت سب سنت رسول اللہ کہلاتے ہیں - سنت رسول اللہ کا تحفظ خدا تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا - اللہ تعالیٰ نے اس تحفظ کے طریق کا ذکر ذیل کی آیت کریمہ میں کیا ہے :

ما کان المومنون لینفروا کافۃً فلو لا نفر من کل فرقۃ منہم طائفۃٌ لیتفقہوا فی الدین و لینذروا قومہم اذا رجعو الیہم لعلہم یحذرون

(التوبۃ ۹ آیت ۱۲۳)

فرمایا تمام کے تمام مسلمانوں کے لئے تو یہ ممکن نہیں کہ وہ عرب کے اطراف و اکناف سے نکل آئیں اور حضور کی صحبت سے فیض یاب ہوں لیکن ایسا کیوں نہ ہو کہ ہر قوم کے کچھ افراد

آئیں اور حضور کی مجلس میں بیٹھیں ۔ اس مقصد کے لئے کہ وہ حضور سے دین سیکھیں اور اس مقصد کے حصول کے بعد جب اپنی اپنی قوم کے پاس واپس جائیں تو جو کچھ سیکھا ہو ان کو سنائیں تاکہ وہ خدا خوفی کی زندگی اختیار کریں ۔ اس حکم کی تعمیل میں لوگ حضور کی زیارت کے لئے آتے اور حضور سے تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے بعد اپنے اپنے علاقوں میں حضور کے ارشادات اور حضور کے شمائل و خصائل کا چرچا کرتے تھے ۔ اس نظم و اہتمام نے سنت رسول اللہ کی تفصیلات تمام کے تمام اہل عرب تک پہنچا دیں جس کی برکت سے وہی دین جس پر اہل مدینہ منورہ عمل کرتے تھے سارا عرب کاربند ہوگیا ۔ اس ضمن میں یہ حقیقت پیش نظر رکھنے کے قابل ہے کہ حضور کے ارد گرد مہاجرین و انصار کا ہر وقت جھگمٹا رہتا تھا جو دن رات حضور نبی کریم کی طرز زندگی کا مشاہدہ کرتے تھے اور حضور کے ارشادات سنتے تھے ۔ ان میں بہت سے مرد و زن نہایت بلند پایہ فقیہ اور عالم دین بن چکے تھے ۔ ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی بھی تھی جو برابر تیئیس سال تک حضور کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے تھے اور وہ عشاق بھی تھے

جو مسجد کے ملحقہ حصہ میں سکونت پذیر تھے۔ یہ بھی دن رات حضور کو دیکھتے اور حضور کے ارشادات سے مستفید ہوتے تھے ۔ سب لوگوں کے دل عشق رسول سے لبریز تھے اور وہ نہایت شوق و تکریم کے ساتھ حضور کی سنت پر عمل در آمد کیا کرتے تھے ۔ یہ واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ جس طرح قرآن کریم محفوظ کر دیا گیا ہے اسی طرح سنت بھی محفوظ کر دی گئی ہے۔ یہی لوگ اس دین متین کو اور اسی سنت رسول کو لے کر دنیا کے مختلف حصوں میں پھیل گئے اور بہت سے علاقہ جات ان کے زیر حکومت آئے۔ اس حکومت میں دین پر اور سنت رسول پر عمل در آمد کرنا نمایاں طور پر نظر آتا تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ آج مصر سے لے کر مراکو تک اسی دین پر اور اسی سنت پر عمل در آمد ہو رہا ہے ۔ جو دین اور سنت مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں مشاہدہ میں آتا ہے ۔ آج اسی دین اور اسی سنت کا چرچا روس اور چین میں پایا جاتا ہے جس دین اور جس سنت کا چرچا مکہ معظمہ میں اور مدینہ منورہ میں پایا جاتا ہے ۔ اسی طرح ہندوستان میں، پاکستان میں، ایران و شام میں وہی دین اور وہی سنت رسول اللہ مشاہدہ میں آتی ہے جو دین اور سنت کا

مشاهد خود مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں کیا جاتا ہے ۔

غرض جس طرح قرآن کریم محفوظ ہے اسی طرح سے سنت بھی محفوظ ہے ۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کا علم ہے کہ دونوں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو قرار حاصل ہو چکا ہے ۔ چنانچہ حضور نے فرمایا :

ترکت فیکم کتاب اللہ وسنة رسولہ

میں نے تمہارے درمیان کتاب اللہ اور اس کے رسول کی سنت چھوڑی ہے ۔

لو تمسکتم بہما لن تضلوا ابدا

اگر ان دونوں سے تمسک کرو گے تو تم کبھی گمراہ نہ ہوگے ۔ اگر حضور کی سنت جاری و ساری نہ ہوگئی ہوتی تو وہ اس قسم کا اہم اعلان نہ کرتے ۔ حضور نبی کریم وہ عظیم الشان تاریخی شخصیت ہیں جن کی پیدائش سے لے کر ان کی وفات تک کے تمام حالات بالتفصیل اپنوں اور بیگانوں کی تصنیفات میں قلم بند ہیں ۔ خدا تعالیٰ ان کی طرز زندگی یا ان کی سنت کو بطور نمونہ پیش کرکے فرماتا ہے کہ حضور کے اسوہ حسنہ کی تقلید کرو ۔ اس اسوۃ حسنہ کی تفصیلات تو قرآن کریم میں نہیں پائی جاتیں ۔ ان ارشادات و اعمال و اخلاق کو

تاریخ نے محفوظ کر رکھا ہے - اگر وہ محفوظ نہ ہوں اس صورت میں اللہ تعالیٰ یہ تلقین نہیں کر سکتا تھا کہ حضور کے نمونہ کو اپنی زندگی کے لئے مشعل راہ بناؤ - اللہ تعالیٰ حضور کی اس زندگی کے مطالعہ کا بھی حکم دیتا ہے جو حضور نے نبوت سے پیشتر اہل مکہ میں بسر کی - جیسا کہ فرمایا :

و لقد بثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعقلون

میری زندگی کے چالیس سال تمہارے درمیان گزرے ہیں - اس زندگی کی تفصیلات کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کرو کہ میں کیسے اخلاق و عادات کا مالک اور میرے نظریات اور عزائم کیسے ہیں - میری عملی زندگی میرے دعویٰ کی صداقت کی دلیل ہے -

خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے ارشادات ثابت کرتے ہیں کہ زمانۂ نبوت سے پیشتر کی سنت رسول اور زمانۂ نبوت کی سنت رسول دونوں بالکل محفوظ ہیں - خدا تعالیٰ نے کتاب اللہ اور سنت رسول دونوں کا تحفظ فرمایا اور دونوں کو قائم و دائم اور دونوں کو جاری و ساری رکھا کیونکہ ان میں مخلوق کی ہدایت کے لئے عالمگیر اصول اور نظریات تلقین کئے گئے ہیں -

اهل علم سے خطاب

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن کریم کے پیش کردہ اصول و نظریات معقول و مفید ہونے کی وجہ سے اہل علم کے سامنے حقیقت بن کر آ جائیں گے اور وہ اپنے خداداد نور بصیرت سے دیکھ لیں گے کہ قرآن کریم نے مذہب ' سیاست اور معاشرے سے متعلق جو معتقدات بیان کئے ہیں وہ برحق ہیں - چنانچہ فرمایا :

وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْ أُنْزِلَ
اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقُّ (السباء ۳۴ آیت ۶)

یعنی اہل علم دیکھ لیں گے کہ قرآن کریم کی تعلیمات جو جناب الٰہی نے نازل فرمائی ہیں برحق ہیں - بھلا وہ کون سا دانش مند انسان ہے جو قرآن کریم کے اس نظریہ کو درست تسلیم نہ کرے گا کہ اس کائنات کا خالق اور اس نظام کو خیر و خوبی سے چلانے والا ایک ہی خدا ہے کیونکہ آسمان اور زمین کے درمیان جس قدر عناصر ہیں ان سب میں باہمی ارتباط اور تعاون پایا جاتا ہے - اور ساری کائنات کے قوانین میں یکسانیت اور ہم آہنگی اس لئے پائی

جاتی ہے کہ اس عظیم الشان بادشاہت کا نظم اور تدبیر امور ایک ہی ہستی کے ہاتھ میں ہے اور اسی وجہ سے یہ نظام بے انداز برکات و افضال کا سر چشمہ بنا ہوا ہے اور اگر یہ نظام عالم ایک کی بجائے مختلف ہاتھوں میں ہو تو ضرور ہے کہ سب کچھ تباہ ہو جائے ۔ غرض اہل علم کے نزدیک قرآن کریم کا یہ نظریہ بالکل صحیح ہے کہ اس کائنات کو خیر و خوبی سے چلانے والا ایک ہی خدا ہے جو واحد لا شریک ہے اور اسی طرح سے اہل علم کے نزدیک قرآن کریم کا یہ عقیدہ بالکل درست ہے کہ رب العالمین یکساں طور پر ساری قوموں پر اپنی نعماء و برکات نازل فرماتا ہے کیونکہ اس کی نگاہ میں ساری قومیں ایک ہی جماعت ہیں ۔ جیسا کہ فرمایا :

کان الناس امة واحدة

اور جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

المخلوق عیال اللہ فان احبہمّ الی اللہ انفعہم لعیالہ

یعنی ساری نسل انسانی خدا کا کنبہ ہے اور خدا تعالیٰ اس شخص کو اپنا پیارا خیال فرماتا ہے جو اس کے عیال کی سب سے زیادہ خدمت کرتا ہو اور سب سے زیادہ اس کے لئے نفع رساں ہو۔

اور اهل علم میں سے وہ کون ہے جو قرآن کریم کے اس مقصد کو مفید نہ سمجھے کہ باری تعالیٰ کی توحید کی برکت سے نسل انسانی میں وحدت پیدا کی جائے ؟ وہ کون سا اهل علم ہے جس کو قرآن کریم کا یہ نظریہ پسند نہ آئے گا کہ خدا تعالیٰ نے تمام قوموں میں اپنے هادی مبعوث فرمائے ؟ اس لئے تمام پیغمبروں پر ایمان لانا اور صدق دل سے ان کی تعظیم کرنا واجب ہے اور اس سے عالمی اتحاد مضبوط تر ہو جاتا ہے - اسی طرح سے اهل علم میں وہ کون سا شخص ہے جو قرآن کریم کے اس نظریہ کے ساتھ اتفاق نہ کرے گا کہ اگر خدا تعالیٰ کے مادی قوانین عالمگیر ہیں تو اس کے روحانی قوانین بھی همہ گیر ہیں اور قرب الہی کے حصول کے دروازے سب قوموں کے لئے کھلے ہیں ؟

قرآن شریف نے اهل علم کو خطاب کرکے فرمایا کہ وہ ان اصولوں اور نظریات کو صحیح تسلیم کریں گے جو قرآن کریم نے تلقین کئے ہیں - پھر اسی ضمن میں فرمایا اهل علم کیونکر ان اصولوں کی تصدیق نہ کریں گے - جب کہ یہ اصول ان کی فطرت میں ودیعت کردیے گئے ہوں - جیسا کہ فرمایا :

بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ (العنکبوت ۲۹ آیت ۴۸)

یعنی تعلیمات قرآنیہ اہل علم کے سینوں میں مرکوز کر دی گئی ہیں - اس لئے جہاں کہیں اہل علم ہوں گے وہاں اسلام کی تعلیمات کی تصدیق ہوگی اور ان تعلیمات کو تسلیم کر لیا جائے گا - یہی وجہ ہے کہ انگلستان ' امریکہ اور جرمنی میں مسلم مشنوں کی برکت سے اہل علم اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں -

اسی طرح سے ضرور ہے کہ فطرت انسانی بول اٹھے کہ وہ اخوت جو اسلام نے قائم کی ہے وہ معیاری ہے اور عدیم المثال ہے اور اس کو ساری دنیا میں فروغ ہونا چاہیے - اسی طرح سے فطرت انسانی پکار اٹھے گی کہ جمہوری سلطنت جو اسلام نے قائم کی وہ معیاری اور مثالی ہے - اسی طرح سے ضرور ہے کہ فطرت انسانی تسلیم کرے کہ قرب الٰہی کے حصول کا وہ نظریہ جو اسلام نے بیان کیا ہے کہ خدا خوفی اور نیک عملی کی زندگی خدا کو پسند ہے اور وہ جو اس طرز زندگی کو اختیار کریں گے - ضرور ہے کہ وہ خدا کے مقرب اور خدا کی مخلوق کے محبوب بن جائیں -

غرض قرآن کریم نے اپنے اصول بیان کر دینے کے بعد اهل علم کو اپیل کی هے که وه ان اصولوں کو اپنے علم کی کسوٹی پر پرکھیں اور اگر وه ایسا کریں گے تو ضرور هے که وه ان کی صداقت کو تسلیم کریں -

تم الکتاب بالخیر

فالحمد لله رب العالمین والصلوه والسلام علی رسوله الکریم

خصائص القرآن کے علاوہ

مصنف کی دیگر کتب

غلبہ قرآن ارود	قیمت	۴/-/-
غلبہ قرآن کا انگریزی ایڈیشن	,,	۴/-/-
ضرورت حدیث	,,	۳/۸/-
جمہوریت اسلامیہ	,,	۱/۸/-
رحمۃ العالمین غریبوں کا والی	,,	۲/-/-

★

ملنے کا پتہ

دارالکتب اسلامیہ ۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام
احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ
لاھور نمبر ۷ پاکستان